ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور پاکستان



کل پاکستان نظام شریعت کنونشن

کی تاریخوں میں

بعض انتظامی وجوہ کی بنا پر تبدیلی کر دی گئی ہے اور اب صرف ایک ہفتہ

کی تاخیر کے ساتھ

۲۵-۲۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز ہفتہ و اتوار

شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ

میں

منعقد ہوگا۔

باقی پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ تمام کارکن پروگرام کے مطابق کنونشن میں شریک ہوں

(مولانا) عبید اللہ انور صدر مجلس استقبالیہ

۶۰ پیسے

۱۷ اکتوبر ۷۵

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

نبوّت کے جھوٹے مدعی

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — میری امت میں تیس جھوٹے فتنہ انگیز لوگ ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت میں ایک گروہ حق پر ہوگا۔ جو اپنی دلیلوں کی بدولت غالب رہے گا۔ ان لوگوں کو مخالفین کی مخالفت کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔

یہ حدیث چونکا دینے والی ہے۔ امت کو خبردار رہنا چاہیے تھا کہ اس کی حالت اتنی بگڑنے پائے کہ جس کا جو جی چاہے دعویٰ کر بیٹھے اور کوئی اس کا گلا دبانے والا نہ ہو۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ مسلمانوں نے تلوار سنبھالی اور ملک پر ملک فتح کرنے میں لگ گئے۔ آفت یہ آئی کہ انہیں ملک گیری میں لطف آنے لگا اور بادشاہ بننے کا شوق غالب آگیا۔ اسلام کے سیدھے سادے راستہ کو قائم کرنے کا خاص اہتمام نہ رہا کیونکہ لوگ اپنے حاکموں کے طریقے پر چلتے ہیں۔ جب ان کا طریقہ مخلوق کو دبا کر ان پر بادشاہ بن کر بیٹھنے کا ہو جائے تو عوام الناس بھی دوسروں کو دبا کر اپنا مطلب نکالنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

غلط کار لوگوں نے گمراہی کا ایک یہ راستہ نکالا کہ نبی بن کر بیٹھ گئے اور لوگوں سے کہا ہماری اطاعت کرو۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہمارا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ ایک کو بڑا مان کر اور اس کے ساتھ مل کر خوب دنیا کو لوٹیں۔

چنانچہ بہت سے نبوت کے مدعی امتِ محمدیہ میں پیدا ہو گئے۔ حضورؐ نے اس حدیث میں تیس کا لفظ فرمایا ہے۔ لیکن اس سے مراد خاص عدد نہیں بلکہ کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ ہمارا دیس بھی اس بلا سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بعض لوگوں نے آسانی سے بھانپ لیا کہ سیدھے سادے مسلمانوں پر رعب جما لینا کچھ مشکل نہیں لوگ ولیوں کو مانتے ہی ہیں تم نبی بن کر دیکھو کتنے تمہارے گرویدہ ہوتے ہیں۔ دنیا تو ہاتھ آئے گی۔ اس کے علاوہ وہ مال و جاہ کے لالچ سے بہت سے دنیا کے طالب عقل والے بھی پھنس جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا اور ان سب نے مل کر اپنی تنظیم کر لی۔ اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کو اپنا شعار بنا لیا۔ اب ان کا کام یہ ہے کہ اپنی دنیاوی تنظیم دکھا کر اپنی جماعت بڑھائیں اور دنیا میں اسلام کے نام سے شہرت اور ناموری حاصل کریں۔

افسوس، وہ فرقہ جس کو حدیث میں ہدایت پر کہا گیا ہے مغلوب ہو کر رہ گیا۔ اب ہے تو ضرور لیکن تنظیم سے بے بہرہ ہے۔

● انسانوں میں ذلیل ترین وہ درویش ہے جو امیروں کی خوشامد کرے۔ (رفاعی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

— جاری کردہ —
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہ العزیز

— رئیس التحریر —
مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

— مدیر مسئول —
جانشین شیخ التفسیرؒ
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

— مدیر —
محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارۂ تحریر
مولانا محمد اجمل
زاہد الراشدی
حافظ مہر محمد
حافظ مقصود احمد
صالح محمد حضروی

بدل اشتراک

سالانہ	۲۶ — ۰۰
ششماہی	۱۴ — ۰۰
سہ ماہی	۷ — ۰۰
فی شمارہ	۰ — ۶۰

ملک کی سلامتی



ہمارا فرض

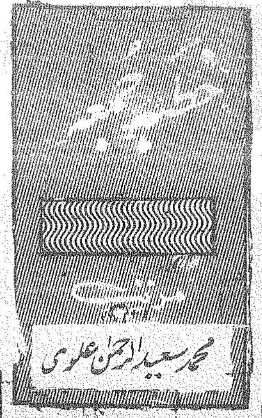
لاہور کے حلقہ ۶ سے پنجاب اسمبلی کے ایک ضمنی انتخاب نے جو نازک صورت اختیار کر لی ہے اسے دیکھ کر کچھ یوں اندازہ ہوتا ہے کہ دو دشمن ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مدِ مقابل صف بستہ ہیں اور بس ایک نعرہ "بزن" کی دیر ہے جس کا انتظار ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی جو غیر مصالحانہ رویہ اپنا کر "اصلی پاکستان" کے بجائے "نئے پاکستان" کی وارث بنی تھی، اپنی غیر دانش مندانہ پالیسی کے پیشِ نظر چند سال ہی میں اپنے اثرات کھو چکی ہے۔ بلکہ فی الحقیقت یہ لفظ ہماری سیاسی لغت میں ایک گالی کی صورت اختیار کر گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ حکومت و اقتدار کی مالک ہونے کے سبب تمام قومی وسائل اس گروپ کے قبضہ میں ہیں اس لیے دلوں کی بات پوری شدت سے سامنے نہیں آ رہی۔

اس پارٹی نے اپنے نہیں بلکہ بے پناہ قومی وسائل کو داؤ پر لگا دیا ہے اور وہ ہر حال میں انتخاب جیتنے کی فکر میں ہے۔ اس کے بالمقابل اسی پارٹی کے ایک بنیادی رکن اور پارٹی چیئرمین کے نامزد جانشین مسٹر کھر ہیں جو پارٹی کو طلاق دے کر جمہوری حقوق کا نعرہ لے کر میدان میں آئے ہیں اور ان کی امداد کے لیے بہت سے نئے اور پرانے چہرے پوری قوت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔ جہاں تک انتخاب کا تعلق ہے ہمیں اس سے زیادہ دلچسپی اس لیے نہیں کہ ہماری سیاسی وفاداریاں جس جماعت سے وابستہ ہیں وہ متحدہ محاذ کا ایک اہم حصہ ہونے کے پیشِ نظر اس جنگ سے الگ تھلگ ہے لیکن اس انتخاب میں فریقین جو زبان استعمال کر رہے ہیں وہ اتنی افسوسناک ہے کہ خدا کی پناہ۔

کھر صاحب اپنے مربی و آقا کی جماعت کو تمام برائیوں کا منبع و مصدر قرار دیتے ہیں جب کہ چیئرمین صاحب کے دائیں بائیں جو عناصر ہیں

(باقی صفحہ ۲۳ پر)



بعثتِ انبیاء علیہم السّلام کا مقصد تزکیہ تھا

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ ونحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ہادی لہٗ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اما بعد: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے یہ سورہ بقرہ کی ۱۲۹ ویں آیت ہے۔ سورۂ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورۃ ہے۔ جس میں ۴۰ رکوع ہیں۔ اور تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے جزوی فضائل احادیث میں بہت زیادہ وارد ہوئے ہیں۔

اس آیت کریمہ کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمائیں، پھر میں اپنے موضوع کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

"اے ہمارے رب! اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔" (شیخ التفسیر حضرت لاہوری قدس سرہ)

اس آیت میں در حقیقت ایک دعا کا تذکرہ ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے کی تھی اور اس وقت جب وہ بحکم خداوندی کعبۃ اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

اس مقدس عمل کے وقت انہوں نے جو جو دعائیں کیں ان کا تذکرہ سورۂ بقرہ کے پندرھویں رکوع کے آخر میں ہے جن میں سے ایک یہ آیت ہے۔ باقی دعائیں یہ تھیں:

- "کعبۃ اللہ کی عمارت جس غرض سے بنائی جا رہی ہے اس کے لیے اسے قبول فرما۔ یعنی اس کو خدا پرستوں کا ملجا و ماویٰ بنا۔
- ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں بھی ایک امت مسلمہ پیدا فرما۔
- ہمیں حج کے طریقے سکھلا۔
- ہماری توبہ قبول فرما۔

اس کے بعد وہ دعا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا یعنی ایک رسول اعظم کی بعثت۔

اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی ابتدا ہی میں جس عظیم انسان حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا انہیں نبی بھی بنایا تاکہ ہدایت انسانی کا ابتدا میں ہی انتظام ہو جائے۔ یہ سلسلہ نبوت جو ابو الانس حضرت آدم علیہ السلام سے چلا تھا اس کی تکمیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ آپ جب دنیا میں تشریف لائے تو

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا اعلان ہو گیا اور خدا نے آپ کو وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن نیز آپ نے خود اپنے متعلق فرمایا کہ "میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ ہاں میرے بعد کچھ لوگ ایسے ضرور آئیں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے لیکن وہ دجال و کذاب ہوں گے۔

انبیاء علیہم السلام کی اس عظیم و جلیل جماعت کے کل افراد کتنے تھے۔ اس کے متعلق کوئی حتمی بات کہنی مشکل ہے۔ البتہ ایک اسرائیلی روایت کے مطابق یہ تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے لیکن چونکہ اسرائیلی دنیا نے اللہ کی نازل کردہ کتابوں کو بھی بدل ڈالا تھا۔ اس لیے ان کی روایات پر مکمل اعتماد مشکل ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کا ان کے متعلق فرمان ہے کہ لَا تُصَدِّقُوْہُ وَ لَا تُکَذِّبُوْہُ کہ ان کی روایات کی تصدیق کرو نہ انہیں جھٹلاؤ۔ اس لیے ہمارے بزرگ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے ساتھ کم و بیش کا لفظ بطور احتیاط کہہ دیا کرتے ہیں۔ اور ویسے بھی دیکھا جائے تو نجات کا دارومدار اس پر نہیں کہ کل انبیاء کتنے تھے؟ بلکہ اس پر ہے کہ جتنے تھے ان سب کو ہم نے مانا۔ اور جس کا ہم نے زمانہ پایا اس کی تعلیم کو مانا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

تو اس جماعت میں جن بزرگوں کو بالخصوص قرآن عزیز نے خاص طور پر اہمیت دی۔ ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ خلیل اللہ علیہ السلام کی قربانیوں سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو عجیب و غریب امتحانوں میں مبتلا کیا لیکن آپ بتوفیق ایزدی ہر امتحان میں کامیاب و ثابت قدم ہو کر نکلے۔

باپ کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ ماننے کے بجائے کوستا ہے اور ہجرت و مہاجرت کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں، قوم سے ٹکر لیتے ہیں تو غالب آتے ہیں۔ وہ آگ میں جلانے کا پروگرام بناتی ہے تو ہنسی خوشی اس میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ اس آگ کو گلزار بنا دیتے ہیں۔ نمرود کے دربار میں خالق کائنات کی وحدانیت کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تو غالب آتے ہیں۔ اس کے بعد اور کئی مراحل ہیں جن میں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمانا، پھر اسے وادیٔ غیر ذی زرع میں اس حال میں چھوڑنے کا حکم کہ وہاں کوئی پرسان حال نہیں، کوئی ظاہری سبب نہیں اللہ تعالےٰ کا سایہ شفقت ہے۔ اس کے سہارے یہ بھی کر گزرے۔ اسی صاحبزادے کو قربان کر دینے کا حکم ہوتا ہے۔ تو اس پر سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں — اسی صاحبزادے کی معیت میں کعبۃ اللہ کی ازسرِ نو تعمیر کا حکم ہوتا ہے۔ یہ مقدس عمارت پہلے بھی تھی لیکن طوفان کا شکار ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی تعمیر کرتے ہیں تو لبوں پر وہ دعائیں ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں آخری دعا ایک "نبی اعظم" کی بعثت کے متعلق ہے۔ چنانچہ خدا نے وہ ساری دعائیں قبول و منظور فرمائیں۔

پہلی دعا کعبہ کی قبولیت کے متعلق تھی تو آپ دیکھیں صدیاں گزر گئیں یہ مقدس عمارت مرجع انام ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں دنیا اس کی زیارت و طواف کے لیے ہر سال سفر کرتی ہے اور ان سے کہیں زیادہ وہ لوگ ہیں جو حسرتِ دید میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

اپنی اولاد میں امتِ مسلمہ کی دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نبی اعظم علیہ السلام کی امت کو اس حیثیت میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ حج کے آخر میں ہے۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ کہ تمہارا طریق تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

اور تیسری دعا نبی اعظمؐ کے متعلق تھی جو اسمٰعیلی ہو، عرب ہو اور انسانوں میں سے ہو۔ چنانچہ حضورِ اقدس علیہ السلام، عبد کامل و انسان کامل کی حیثیت سے خطۂ حجاز میں مبعوث ہوئے اور آپ کا سلسلہ نسب ذبیح اعظم اسمٰعیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں — اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔

اس دعا کی قبولیت کی قرآن نے دو جگہ اور شہادت دی۔ ایک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں جہاں فرمایا کہ

"تحقیق اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں پر احسان
کیا ہے جو ان میں انہی میں سے رسول بھیجا۔
ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک

کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے"۔

دوسرے سورت جمعہ کی دوسری آیت ہیں۔ یہاں بھی امیین میں رسول کے مبعوث ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے فرائض اور ذمہ داریوں میں تلاوتِ آیاتِ ربانی، تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کا ذکر ہے۔

تو ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی بعثت مقدسہ کے یہی مقاصد تھے۔ اور جب آپ کی بعثت کے مقاصد یہ تھے تو باقی سب بزرگوں کے دنیا میں آنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ کیونکہ گروہِ انبیاء ایک ہی دعوت و پروگرام کا علمبردار ہے اور ایک ہی منبع صدق و صفا کی یہ مقدس شاخیں ہیں۔

ان فرائض و مناصب نبوت میں تزکیہ درحقیقت پہلی عظیم ذمہ داری ہے کیونکہ تزکیہ کی حقیقت بقول حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ

"نفسانی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا"

ہے۔ جب تزکیہ کی حقیقت یہ ہے تو خود بخود لازم آ جاتا ہے کہ تزکیہ پہلی ذمہ داری ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذمہ لگائی گئی۔ اگر اس ذمہ داری کو مختصر لفظوں میں بیان کیا جائے تو اصلاح قلب کی اصطلاح بیان کی جاسکتی ہے۔ یعنی اصلاحِ قلب کارِ نبوت ہے۔ باقی کام یعنی تلاوت آیات ربانی اور تعلیم کتاب و حکمت اصلاح قلب کے بعد ہیں کیونکہ جب دل ہی کی اصلاح و درستگی نہ ہوگی اور دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہوگا۔ تو کتاب و حکمت وغیرہ کا درس اور تعلیم زمین شورہ میں تخم ریزی کے مصداق ہوگا۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ آپ حضور علیہ السلام سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ ملی کا بغور جائزہ لیں آپ کو نظر آئے گا کہ ہر نبی نے سب سے پہلے بگڑے ہوئے نفوس اور زنگ آلودہ قلوب کی اصلاح و درستگی کا کام کیا۔ اور مخلوق خداوندی جو اپنے خالق سے کٹ کر معبودانِ باطلہ کی گرویدہ و رسیا ہوچکی تھی اس کا رشتہ غلط مقامات سے توڑ کر صحیح جگہ جوڑا اس کے بعد باقی چیزوں کا نمبر آیا۔

اسلامی اعمال و عبادات میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جہاد وغیرہ انتہائی اہم چیزیں ہیں جن میں سے ایک ایک چیز کے متعلق یقین و ایمان ضروری ہے اور ان میں سے ایک چیز کا انکار بھی کفر ہے۔ اور یقین و ایمان کے بعد ان کو بجا لانا ضروری! اس معاملہ میں سستی و کاہلی کی جائے تو انتہائی نقصان و خسارہ برداشت کرنا ہوگا۔

لیکن یہ ساری چیزیں حضور علیہ السلام پر بعد میں نازل ہوئیں ابتداء میں جو ذمہ داری تھی وہ اصلاح قلب و نظر کی ذمہ داری تھی کہ اس پر ہی تمام اعمال کا دارومدار ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنے جس ارشاد میں دل کی اصلاح درستگی کو سارے جسم کی اصلاح قرار دیا اور دل کے بگاڑ کو جسم کا بگاڑ قرار دیا۔ اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تزکیہ ابتدائی ذمہ داری ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جب تزکیہ نصیب ہو جائے، دل کی ویران شدہ بستی آباد ہو جائے اور باران رحمت کے حیات بخش اور عطر بیز چھینٹے اس فساد زدہ ویرانے کو آبادی میں تبدیل کر دیں تو پھر انسان حقیقی معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی وہ مخلص مومن اور مسلمان بنتا ہے۔ پھر وہ احکامات خداوندی پر عمل اور انفرادی و اجتماعی مسائل میں قرآن سے مکمل رہنمائی حاصل کرتا ہے اور افراط و تفریط سے بچ کر بالکل اعتدال کی زندگی گزارتا ہے لیکن اگر اس کے دل کی ویرانی بدستور ہے تو پھر احکامات الٰہی کی نافرمانی، حدود الٰہی کو توڑنا، اللہ کی مخلوق کو ستانا، ان کے حقوق غصب و پامال کرنے میں اسے شرم و ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ نہ ہی خوف خدا آڑے آتا ہے کیونکہ شرم اور خوف کا جو اصل مرکز و محور ہے جب وہ ہی صحیح نہیں تو پھر اگلی باتیں کیسے ممکن ہوں گی۔

بہرحال ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ لاتعداد انبیاء علیہم السلام جس مقصد عظیم و جلیل کی خاطر دنیا میں تشریف لائے اس کی حقیقت کو ہم پہچانیں، اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس کی روشنی میں اپنی اصلاح و درستگی کا سامان کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جادۂ مستقیم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین!



انسانی فطرت کی شہادت

کفار کی نفسی حالت

مسلمانوں کے لیے درسِ عبرت

اور — دعوتِ انقلاب

محمد مقبول عالم بی اے، لاہور

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رب حقیقی ہونے کا اقرار کرے۔ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے، اس کی بندگی کرے، اور اس کے حکموں پر چلے۔ قرآن کریم نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ روزِ ازل میں جب تمام انسانوں کی ارواح سے پوچھا گیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰی، تو سب نے کہا تو ہی ہمارا رب ہے۔

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو دنیوی زندگی کی آلودگیوں سے اس کا دامنِ فطرت مکدر ہو جاتا ہے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح تصور پر قائم نہیں رہتا اور الحاد و شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ دوسروں کو اپنا رب بنا لیتا ہے، انہیں پکارتا ہے اور انہیں اپنا حاجت روا سمجھتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی جب وہ بے بسی اور لاچارگی میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر خالص اللہ کو پکارتا ہے۔ یہ اس کی اصل فطرت کی پکار ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ حالت دور ہو جاتی ہے تو پھر شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کی آواز کو دبا نہیں سکتا اور اپنے شرک کی توجیہہ یہ کہہ کر کرتا ہے کہ ہم نیک ہستیوں یا ان کے بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے وسیلے اور واسطے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔

غرض اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط تصورات قائم کر لینا اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت نہیں رکھتا، وہ اس کی آیات کو بھی کیسے مان سکتا ہے۔ کافر ایک طرف تو اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا ہے اور دوسرے اس کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ یہ کافر کی نفسی حالت ہے۔ اور یہ دونوں باتیں یعنی افتراء علی اللہ (اللہ پر افترا کرنا) اور تکذیب بآیات اللہ (اللہ کی آیات کا انکار کرنا) صریحاً ظلم ہیں اور انسان کی فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کے ساتھ کافر اعمال کی جزاء و سزا (مجازات) کا بھی انکار کرتا ہے اور مرنے کے بعد کسی زندگی کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے بداعمالیاں کرتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ان کی زندگی برباد جائے گی اور اچھے نتیجے پیدا نہیں کرے گی۔

اس مضمون کو سورۂ انعام کے تیسرے رکوع میں بیان کیا گیا ہے۔ آیات حسب ذیل ہیں:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ط اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ o

"اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے"۔

البتہ ایسے لوگ جب مرنے کے بعد دوسری زندگی میں داخل ہوں گے اور انہیں قیامت کے دن اٹھا کر جمع کیا جائے گا تو اس وقت نہ دنیا کی زندگی اور اس کے سامان ہوں گے اور نہ وہ آلائش و آلودگی ہوگی جو ان کے نورِ فطرت کو چھپائے ہوئے تھی۔ اس وقت ان کی فطرت پکار اٹھے گی اور وہ خود اپنے ہی خلاف گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم

تو شرک نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

"اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے تب ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا تھا وہ تمہارے شریک کہاں ہیں؟ جن کے لیے تم جھوٹے دعوے کرتے تھے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ "تب ان کا وہ فتنہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں گے نہیں اللہ اپنے رب کی قسم ہے کہ ہم تو مشرک نہیں تھے"

اس طرح وہ صاف صاف اپنے کفر و شرک کا انکار کردیں گے اور ان کا وہ سارا انکار اور افترا جاتا رہے گا۔ آگے فرمایا۔ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔ دیکھو وہ کس طرح اپنے اوپر جھوٹ بولتے ہیں اور جو وہ افترا کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

بعض کفار کی نفسی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کی طرف کان تو دھرتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر غفلت و جہالت اور بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے حقیقت میں نہ ان کے کان سنتے ہیں نہ ان کے دل سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سارے نشانات دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی نہیں مانتے بلکہ الٹا جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ کی باتوں کو قصے کہانیاں تصور کرتے ہیں ۔ فرمایا،

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو تیری طرف کان دھرتے ہیں وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۔ اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ — یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں، تجھ سے جھگڑتے ہیں۔ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ تو کافر کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اس سے آگے ان کی عملی کمزوری اور بدکرداری بیان کی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ صحیح تعلیم سے اپنے غلط تصورات کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسے قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ بڑی ہلاکت آفریں حالت ہے۔ اس لیے فرمایا۔ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ اور وہ لوگ اس سے روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ اور صرف اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔

ان کی وہ حالت بھی ملاحظہ کرنے کے قابل ہوگی جب قیامت کے دن انہیں دوزخ کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ اور وہ خواہش کریں گے کہ انہیں دنیا میں پھر بھیجا جائے۔ تو وہ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب نہیں کریں گے اور وہ واقعی مومن بن کر رہیں گے لیکن یہ بھی محض خواہش ہوگی۔ جو پوری نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ فرمایا۔ ولو تریٰ اذ وقفوا علی النار۔ اور کاش تم اس وقت کی حالت دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے فَقَالُوا تو وہ کہیں گے يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا ۔ کاش! ہم لوٹائے جائیں اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اور ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔

ان کی یہ حالت اس لئے ہوگی کہ وہ اپنے عملوں کے نتیجوں کو سامنے دیکھ لیں گے اور انہیں یقین ہو جائیگا کہ اب وہ ان سے کسی طرح نہیں بچ سکیں گے۔ وہ نتیجے پہلے ان سے پوشیدہ رہے مگر اب وہ ظاہر ہوگئے ہیں۔ اس لیے فرمایا۔ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۔ بلکہ ان کے لیے ظاہر ہو گیا جو پہلے چھپاتے تھے۔ آگے فرمایا۔ کہ اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج بھی دیا جاتا تو وہ دنیا کی غفلتوں میں پڑ کر پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا وہ جھوٹ بولتے

ہیں کہ ہم مومن بن کر رہیں گے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور اگر لوٹائے جائیں تو پھر وہی کام کریں گے جن سے انہیں روکا گیا تھا اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

ان کی یہ حالت اس لیے ہوئی کہ وہ غلط تصورات اور بُرے اعمال پر قائم رہے اور ان پر اصرار کرتے رہے۔ اور ان کی وجہ سے ان کا نورِ فطرت مستور ہو گیا اور ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے۔ اصل میں وہ دنیا اور اس کے سامانوں کی محبت میں گرفتار تھے اور دنیا میں آنے کا مقصد ہی بھول گئے۔ وہ سمجھنے لگے کہ بس یہی دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور نہ انہیں اٹھایا جائے گا۔ یہ ان کی تیسری نفسی حالت ہے۔ کہ وہ افترا علی اللہ اور تکذیب بآیات اللہ کے بعد تکذیب بالآخرۃ بھی کرتے ہیں اور جزا و سزا کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَالُوْا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا اور کہتے ہیں اس دنیا کی زندگی کے سوا ہمارے لیے اور کوئی زندگی نہیں۔ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ لیکن جب انہیں ہیچ مچ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا یہ حق نہیں ہے تو کہیں گے قسم بخدا یہ تو سب حق ہے۔ پھر اس وقت فیصلہ سنا دیا جائے گا کہ اب اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔

فرمایا۔ ولو ترٰی اذ وقفوا علٰی ربھم اور کاش کہ تو دیکھے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط وہ فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا۔ کہیں گے ہاں ہمیں اپنے رب کی قسم ہے۔ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ تو فرمائے گا پس عذاب چکھو۔ اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔

درسِ عبرت

ان آیات میں کفار کی نفسی حالت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اپنے ربِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں اور اس کے بارے میں غلط تصورات قائم کر لیتے ہیں۔ پھر لاپروا ہو کر بداعمالیاں کرتے ہیں۔ اور ان کے نتائج سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا و جزا کوئی چیز نہیں۔ لیکن جب قیامت کے دن انہیں نتائج بد دکھائے جائیں گے اور انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا تو فیصلہ سنا دیا جائے گا کہ انہیں دوزخ میں داخل کر دیا جائے۔ پھر دنیا والی غفلت باقی نہیں رہے گی۔ اور حسرت سے کہیں گے کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم آیات اللہ کا انکار نہیں کریں گے اور مومن بن کر رہیں گے۔

ان آیات میں درسِ عبرت یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کی زندگی میں پڑ کر غفلت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو کبھی یاد نہیں کرتے اور نہ اس کے حکموں کی پروا کرتے ہیں۔ وہ اصل میں اعمال کی جزا سزا کے بھی منکر ہیں۔ ایسے لوگ کفار کی حالت سے عبرت حاصل کریں۔ اب موقع ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ ورنہ موت کے بعد پھر حسرت ہی باقی رہ جائے اور اصلاح کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

دعوتِ انقلاب

ان آیات میں قرآن کا انقلابی پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم سے انسانوں کی ذاتی اصلاح کرتا ہے۔ انہیں کفر و شرک سے نکال کر ایمان و توحید کی روشنی میں لاتا ہے۔ اس طرح مومنین کا ایک پاک معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم اور مومنین کی تبلیغ و جہاد سے پھر دیگر انسانوں کی اصلاح ہوتی ہے اور ذاتی اصلاح سے آگے قومی اصلاح اور پھر بین الاقوامی اصلاح کا عمل شروع ہوتا ہے۔ تاکہ انسانیت ہلاکت سے بچ جائے۔ مومنین کا مقصدِ حیات ہی یہ ہے کہ وہ قرآنی انقلاب کے علمبردار بنیں۔ اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت سے بچائیں اس میں ان کی عزت اور کامیابی ہے ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(باقی ص ۱۲ پر)

قرآن ہمیں کیا کہتا ہے؟

یہ کہ

قرآنی نظام اختیار کرو

(عبدالرحمٰن لودھیانوی، شیخوپورہ)

قرآن ایسی جامع اور اکمل کتاب ہے جو الہامی ہے۔ اس میں تمام انسانی ضرورتوں اور حالتوں کا بیان ہے یعنی وہ انسانوں کی پوری زندگی کا طریق تمام زمانوں میں تمام انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا طریقہ بتلاتی ہے۔ قرآن پر ایمان لانے والے کسی حالت میں اور کسی زمانہ میں اس امر کے محتاج نہیں کہ وہ انسانوں کے وضع کردہ پروگراموں اور بتلائے ہوئے راستوں پر چلیں۔ جو لوگ اس طرح قرآن پاک کو مان لیں تو پھر ان سے قرآن کہتا ہے:۔

۱۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (سورۃ آل عمران۔ آیت ۱۰۳) "تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

وہ کہتا ہے کہ تمہاری یہ محبت و الفت اسی طرح ہی قائم رہ سکتی ہے کہ تم اقامتِ دین کے مقصد کو سامنے رکھو، جماعتی زندگی بسر کرو۔ آپس میں بدظنی نہ کرو۔ کسی کے عیب تلاش نہ کرو۔ کسی کی غیبت نہ کرو۔ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ سب کے حقوق ادا کرو۔ سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور سب مل کر بھائی بھائی بن جاؤ۔

الغرض قرآن حکیم نفاق، افتراق اور اختلاف اور تحاسد و تباین غرض کہ سب دروازے بند کرتا ہے اور مسلمانوں کو امتِ واحدہ بناتا ہے کہ وہ سب ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن، ایک قبلہ اور ایک نصب العین اور ایک قرآنی نظام پر ایک ہو جائیں۔

تمام افرادِ امت کو حکم ہے کہ اپنے عقائد و اعمال، عادات، خصائص، جذبات و احساسات اور تمام حرکات و سکنات کو قرآنی احکام و ہدایت کے مطابق بنا لو۔ ظاہر ہے کہ یہ دنیا کے بدبخت مسلمان جو فرقوں اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ سچے دل کے ساتھ اپنے تمام عقائد و اعمال کو قرآن کے مطابق بنا لیں تو ان کے تمام مذہبی و سیاسی اختلافات ختم ہو جائیں۔ اور وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن جائیں۔ قرآن پاک اس طرح مسلمانوں کو امتِ مسلمہ بنا کر حکم دیتا ہے

۲۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۷:۳) "صرف اسی چیز کی پیروی کرو جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی پیروی نہ کرو۔"

اپنے نظامِ فکر، نظامِ اخلاق، نظامِ سیاست اور نظامِ تمدن میں، کسی چیز میں بھی، دنیا کے کسی طرزِ خیال اور مسلک کی پیروی نہ کرو۔ جس چیز کی جب بھی ضرورت ہو، صرف قرآن سے لو۔ غیر اسلامی افکار و تخیلات اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دو۔

۳۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۴:۱۰۵) "اے نبیؐ! ہم نے تمہاری طرف کتاب بحق نازل کی تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس روشنی کے مطابق فیصلہ کرو جو ہم نے تمہیں دکھائی ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ قرآن خود ایک نظامِ زندگی دیتا ہے جس میں عقائد، اخلاق اور عبادت کے ساتھ انفرادی طرزِ عمل اور اجتماعی زندگی سے متعلق احکام و قوانین بھی ہیں اپنے اس پورے نظام کی طرف مسلمانوں کو بلاتا ہے

اس دعوے کے ساتھ، کہ یہی نظام حق ہے اور اسی میں انسان کی فلاح و نجات ہے، باقی دنیا کے تمام نظاموں، قوانین اور عدالتوں کو باطل ٹھیراتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے نظام پر سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور دوسرے نظاموں سے بے تعلق ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ جہاں کہیں اور جس حال میں بھی ہوں وہ جس نظام زندگی پر ایمان لائے ہیں اس کے قیام کی جد و جہد سے ایک دن بھی غافل نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن فی سبیل اللہ کی تاکید سے بھرا پڑا ہے۔ یاد رہے قرآن پاک جہاں مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے قانون کو جاری رکھیں وہاں ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر تم قوتِ تنفیذیہ سے محروم ہو تو پھر یہ نہ کرو کہ مشرکوں اور کافروں کے مقابلہ میں کافروں اور مشرکوں ہی سے مدد لے کر قوت حاصل کرنے کا بہانہ بنا کر جہاد سے فارغ ہو بیٹھو۔ بلکہ یہ قوت اس طرح حاصل ہوگی۔ کہ نماز، زکوٰۃ اور صبر و تقوےٰ کے احکام پر عمل کرو۔ اپنے اندر قرآنی ہدایات کے مطابق خلافت ارضی کی صلاحیت پیدا کرو۔ جن عیوب و نقائص کی وجہ سے تم اس بلند منصب سے گرے ہو۔ ان کو اپنی زندگی سے دُور کر دو۔

یہود و نصاریٰ کے اعمال و افکار کی پیروی نہ کرو

جس چیز نے مسلمانوں کو ذلیل اور خوار بنایا ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تم نے مذکورہ بالا ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ کو قرآنی حکم کے خلاف دوست اور رازدار بنایا۔ ان کی وفاداریوں میں، اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا، ان کی جاسوسیاں کیں اور ان کے اعمال و افکار کی اندھا دھند تقلید کی اور اب بھی کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں اسی سے سختی سے روکا گیا تھا۔

۴۔ "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ ہرگز تم سے راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرو۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہدایت تو صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ (۲: ۱۲۰)

قرآن نے ہمیں یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی سے یوں روکا تھا مگر ہم ان پر ایسے فدا ہوئے کہ اپنا سب کچھ کھو دیا۔ قرآنی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور ان کی ہر چیز کو سر اور آنکھوں پر جگہ دی۔

جب قرآن کفر و شرک کی دنیا کو مٹانا چاہتا ہے اور بنی نوع انسان کو اپنے نظام کے ماتحت لانا چاہتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی حکومتوں کو چلانے اور ان کے بنائے ہوئے نظاموں کے ماتحت رہنے کی اجازت دے، باطل نظاموں کو توڑ کر اسلامی نظام کو قائم کرنا ہے۔

۵۔ "مومن، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے اس کا اللہ (تعالیٰ) سے کوئی تعلق نہیں۔" (قرآن)

اگر تم نے صبر و تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تو یہ بہت بڑا کام ہے اور اتنا بڑا کہ انسانی نظاموں کے ماتحت رہنے اور انسانی پروگراموں پر چلنے والے اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ صبر و تقوےٰ اعدائے اسلام کی تمام تدبیروں اور قوتوں پر پانی پھیر دیں گے

۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (۳: ۲۰۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے سے جماعتی رشتہ قائم رکھو۔ اللہ کی عبادت کرتے رہو۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو۔ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

یہ ہے قرآنی پروگرام، جس پر چل کر کفر و شرک کے غلبہ کو توڑ کر فلاح یاب ہو سکتے ہیں۔ اپنے اندر صبر و تقوےٰ پیدا کرو۔ کفر کے غلبہ اور تسلط میں دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ صبر کے معنی ثبات اور عزم و استقلال یعنی اسلام کے عقیدہ اور نصب العین پر چلنے اور قائم رہنے سے مصائب و آلام کا طوفان آ جاتا ہے ایسی حالت میں عقیدہ پر ثبات کا نام صبر ہے۔

۷۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ (البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر سے نماز سے مدد لو۔

نماز تم کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے گی۔ خدا کے قانون پر چلنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان صبر و تقویٰ حاصل کریں۔

تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ مومن کے دل میں خدا کا خوف بیٹھ جائے اور غیر اللہ کے خوف سے پاک ہو جائے وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتا رہے۔ تقویٰ کا سارا تعلق روح اور قلب سے ہے۔ قرآن تقویٰ سے قلب و روح کو اپنی گرفت میں لینا چاہتا ہے تاکہ قرآن پر ایمان لانے والے قانون الٰہی کے بکلی مطیع و منقاد ہو جائیں۔ اور مومنوں میں بے پناہ قوت پیدا ہو جائے جس کے سامنے تمام باطل کی طاقتیں سرنگوں ہوتی چلی جائیں۔

قرآن ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے

ا۔ ایمان باللہ اور (۲) جہاد فی سبیل اللہ

یہ کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں اور اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اس کے عوض میں خدائے قدوس نے دو چیزوں کی ضمانت لی ہے۔ آخرت میں جنت اور اس دنیا میں نصرت۔ اگر ہم صحیح معنوں میں اسلام لے آئیں اور جہاد کریں تو یقیناً کائناتِ ارضی و سماوی کی تسخیر کی کنجیاں ہمیں مل جائیں اور ہم پھر اپنا کھویا ہوا عزّ و وقار حاصل کریں۔

جہاد اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرنے کا نام ہے

قرآن انسانوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ ٹھہراتا ہے کہ انسان پر سے انسان کی حکومت ہٹ جائے۔ اور خدائے واحد کی حکومت قائم ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے سر اور دھڑ کی بازی لگا دینے کا نام جہاد ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ عبادتیں سب اسی کی تیاری کے لیے ہیں۔

قرآن ہم سے اس جہاد کا مطالبہ کرتا ہے کہ ہم باطل نظاموں سے عقیدتاً متنفر ہو کر اور اگر ممکن ہو تو عملاً بے تعلق ہو کر زبان سے دنیا والوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ کفر و شرک اور باطل نظاموں اور طاغوتی حکومتوں کی خرابیاں اور فسادات لوگوں کو بتلائیں اور خود اسلامی احکام و اوامر کی پوری پوری پابندی کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہمارے مسلمان ہونے کا اسلام کو کوئی فائدہ نہیں۔ جب ہمارا وجود اسلام ہی کے لیے کام نہیں کرتا تو ہم کس کام کے؟

قرآن کہتا ہے کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ایمان لانے پر چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ (عنکبوت)

بقیہ: انوار القرآن

پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا ہے۔ کیا پاکستان کے پاکستان کے مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے؟ اور اس اصلاح و تبلیغ اور جہاد و انقلاب کے لیے پروگرام بنا کر اقدام کریں گے؟

وما علینا الا البلاغ

اعتذار

ایجنٹ حضرات کا بروقت اطلاع نہ دینے کی وجہ سے پرچوں کی تعداد پوری نہیں بھیجی جا سکی۔ آئندہ بروقت اپنی ضرورت سے مطلع فرمائیں۔ (مینجر)

جملہ شکایات اور معلومات

کے لیے

خط و کتابت جنرل سیکرٹری سے کریں کسی ذاتی نام پر خط نہ لکھیں تاکہ جلد تعمیل ہو۔ خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔ (مینجر)



ارتقا پسند انسانی عقل اور

ربانی ہدایات کا سنگم صرف اسلام ہے

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے علیگڑھ یونیورسٹی میں ایک فاضلانہ تقریر کی احقر نے تلخیص کی ہے، جو ہدیہ قارئین ہے اس سے جہاں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے ایک گرامی مرتبت فرزند کے تبحر علمی اور جدید علوم سے گہری واقفیت کا پتہ چلیگا، وہاں اسلام اور سائنس کے باہمی ربط سے بھی آگاہی ہو جائے گی۔ اور اس سلسلہ میں جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، ان کا ازالہ ممکن ہو سکے گا۔

(محمد سعید الرحمٰن علوی)

ایک عرصہ سے دنیا میں خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، اور حالیہ تجربات نے یہ چیز ثابت کردی ہے کہ حضرت انسان واقعی بڑی چیز ہے، لیکن مذہب و سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبیعاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے بہت سے مسلمان احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے ہیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اصولی طور پہ یہ عرض کر دیا جائے، کہ سائنس اور مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور اسلام آپس میں نہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، جیسا کہ بدقسمتی سے بعض حلقوں میں یہ تصور موجود ہے، اور نہ ہی سائنس الحاد کے مترادف ہے جیسا کہ ایک دوسرا طبقہ اس کا قائل ہے بلکہ بقول ایک محقق مشرقی عالم "سائنس اور اسلام میں وسیلہ اور مقصود کی نسبت ہے"! جیسے بدن روح کے لئے وسیلہ عمل ہے۔ ایسے ہی سائنس اصولی طور پہ اسلامی کارناموں کے لئے ایک وسیلہ، ذریعہ اور ڈھانچہ ہے۔ اور اگر ہم ذرا گہری نظر سے سائنس کے موضوع کو سمجھ لیں تو یہ دعوی خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے اولاً سائنس کے موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے۔ آج کے دور ترقی میں جب تمدنی ایجادات اور مادیات کے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہوتا ہے۔ تو بطور تکملہ سائنس کا ذکر بھی ساتھ ہی ہوتا ہے۔ مثلاً وسائل خبر رسانی کے سلسلہ میں ٹیلی فون۔ ٹیلی گراف۔ ریڈیو لاسلکی، ٹیلی ویژن اور ایسے ہی دوسرے برقی آلات کا ذکر ہوتا ہے تو ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سائنس کے سنہری اصول ہیں۔

وسائل نقل و حرکت کے سلسلہ میں ریل، موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ بادپا سواریوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ تو ساتھ ہی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سائنس کا طفیل ہے۔ یا مثلاً صنائع و حرف کے سلسلہ میں لوہے لکڑی کے خوشنما اور عجیب و غریب سامان تعمیر کے نئے نئے ڈیزائن اور نمونے سیمنٹ اور اس کے ڈھلائو کی نئی نئی ترکیبیں اور انجینیری کے نئے سے نئے اختراعات جب سامنے آتے ہیں تو سائنس کا نظر فریب چہرہ بھی سامنے کر دیا جاتا ہے۔ کہ یہ سب اسی کے خم و ابرو کی کارگزاریاں ہیں۔ اسی طرح نباتاتی لائن میں

زراعتی ترقیات پھل پھول کے افزائش کے جدید طریقے اور نباتات کے نئے نئے آثار و خواص کے متعلق انکشافات کا جب نام لیا جاتا ہے، تو وہیں سائنس کا نام بھی پورے احترام کے ساتھ زبانوں پہ آجاتا ہے، اسی طرح حیوانی نفوس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے ترقی یافتہ وسائل اور اپریشنوں کی عجیب و غریب چیرتیلی صورتیں کیمیاوی طریق پر فن دواسازی کی حیرت ناک ترقی، تحلیل و ترکیب کی محیر العقول تدبیریں بجلی کے ذریعہ معالجات کی صورتیں جب زبانوں پہ آتی ہیں

تو ساتھ ہی انتہائی وقت کے ساتھ سائنس کا نام بھی زبان پر آتا ہے کہ یہ سب اسی کے درخشاں آثار ہیں۔

اس تفصیل سے انسان کی ناقص عقل اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ سائنس کا موضوع عمل موالید ثلاثہ جمادات، نباتات اور حیوانات کے دائرے سے باہر نہیں ہے، پھر چونکہ ان موالید کی ترکیب عناصر اربعہ آگ پانی ہوا مٹی سے ہوتی ہے، جو ایک مسلمہ چیز ہے اور جس پر کسی استدلال کی ضرورت نہیں، اس لئے گویا سائنس کا موضوع بلحاظ حقیقت عناصر اربعہ ٹھہر جاتے ہیں جس کی خاصیات اور آثار کا عملاً سمجھنا اور پھر کیمیاوی طریق پر ان کی تحلیل و ترکیب کے تجربات سے علائقی نئی اشیا کو پردہ ظہور پر لاتے رہنا سائنس کا مخصوص دائرہ علم و عمل ہو جاتا ہے، پس سائنس کی یہ تمام رنگ برنگ تعمیر در حقیقت انہیں چار ستونوں (عناصر اربعہ) پر کھڑی ہوئی ہیں۔

اور اگر اس ساری تفصیل کا مختصر لفظوں میں خلاصہ کیا جائے تو سائنس کا موضوع مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کرنا ثابت ہوگا، اس لحاظ سے مادیات میں جسکا زیادہ انہماک ہوگا، وہی سب سے بڑا سائنسدان اور ماہر سائنس کہلائے گا۔ واللہ اعلم

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ سائنس کا موضوع عناصر اربعہ ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان چاروں کے خواص و آثار اور ذاتی عوارض یکساں ہیں یا نہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے عوارض یکساں نہیں۔ بلکہ بہت حد تک متفاوت ہیں بلکہ ان کی جوہری طاقت بھی ایک درجہ کی نہیں بلکہ کوئی عنصر ان میں ضعیف کوئی قوی کوئی قوی تر کوئی اقوی تر ہے۔ اور یہ قوت و ضعف کا تفاوت اتفاقی نہیں بلکہ معیاری ہے اور وہ معیار یہ ہے کہ ان عناصر میں سے جس میں بھی لطافت بڑھتی گئی ہے اسی قدر اس کی طاقت بھی بڑھتی گئی ہے۔ اور طاقت کے ہی لحاظ سے غلبہ و تسلط اور شان و اقتدار قائم ہوتی چلی گئی۔

اس کا راز سوائے اس کے اور کیا ہے کہ لطافت ایک وصف کمال ہے جو کثافت کی ضد ہے اور ہر وجودی کمال کا مخزن حضرت واجب الوجود کی ذات ہے، اسی لئے لطافتوں کا منبع بھی وہی ہے۔ اور جب لطافتوں کا منبع وہ ہے تو ظاہر بات ہے طاقتوں کا منبع بھی وہی ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ اس کی طاقتوں کا تو یہ عالم ہے کہ آنکھوں سے اوجھل حواس و خیال کی حدود سے بالا تر اور ادراک و انکشاف کی حد بندیوں سے وراء الوراء ہے، ور اس کے ساتھ طاقتوں کا یہ عالم ہے، کہ تمام جہانوں پر صرف اور صرف اپنی شہنشاہی کا نظام محکم قائم کئے ہوئے ہے اس لئے جس چیز میں بھی لطافت کا کوئی شمہ ہے وہ در حقیقت اسی کی ذات و صفات کا کوئی پرتو ہے جس کا اثر بقدر استعداد اس نے قبول کر لیا ہے۔

س بنا پر جس چیز میں جتنی لطافت ہوگی اتنی ہی اس میں غلبہ و اقتدار کی شان ہوگی۔ اس تفصیل کے بعد عناصر اربعہ کی ذاتی عوارض کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں، تو معلوم ہوگا۔ کہ ان میں مٹی سب سے زیادہ کثیف ہے نہ صرف کثیف بلکہ کثافت آور بھی ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں کثافت اختلاط آئی ہے تو اس مٹی سے اس کثافت کو ملاحظہ فرمانا ہو تو تجربہ کے طور پر ایک ڈھیلا اوپر پھینکیں آپ کی قوت جب تک کام کرے گی وہ اوپر جائے گا پھر کل شی یرجع الی اصلہ کا نظارہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ خدا نے زمین کو ذلیل ہی نہیں بلکہ ذلول ذلت کا مبالغہ، فرمایا هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا، البتہ زمین کا ایک جزو پہاڑ بھی ہیں جن میں نسبتاً کچھ لطافت اور سختی ہے اور ہر پتھر کی مختلف قسمیں لطافت و سختی کی بنا پر عزیز الوجود ہیں منوں مٹی پتھر پر گرے تو کچھ نہ بگڑے اور ایک پتھر منوں مٹی پر گر پڑے تو جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، پتھروں کے مقابلہ میں لوہے کو لیں ایک بالشت بھر لوہے کی لالک کے سامنے بڑی بڑی چٹانوں کی کیا حیثیت ہے؟ وہی جو لیے دست و پا قیدی کی ہوتی ہے، اس کا سبب بھی وہی لطافت و سختی ہے۔ جو لوہے نے بمقابلہ پتھر زیادہ قبول کر لی ہے اس کے بعد دوسرے عنصر یعنی آگ کا نمبر آتا ہے یہاں طاقتور لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بڑے بڑے پہاڑوں کے لئے وہاں جان ثابت ہوتے ہیں، وہ ٹکڑے آگ کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں ذرا سی دیر لوہے کو بھٹی میں رکھو نتیجہ سامنے آ جائیگا، اس کا راز بھی وہی طبعی اور عقلی اصول ہے کہ آگ میں لوہے سے بھی زیادہ لطافت ہے، اور کثرت لطافت کثرت طاقت کے مترادف ہے اس کے بعد عنصر آب ہے جس کے سامنے لوہے کو پگھلا دینے والی آگ کی کوئی حیثیت نہیں ایک طرف آگ کے ترفع و تعلی اور رعب و دبدبہ کو دیکھیں پھر جب قطرات آب اس پر ڈال کر اس کا تماشہ کریں نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ چند لمحے پہلے جو کروفر تھا۔ وہ راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ پانی آگ کے مقابلہ میں زیادہ لطیف ہے اور لطافت جہاں جس قدر ہوگی طاقت بھی اسی اعتبار سے موجود ہوگی اس کے بعد عنصر ہوا ہے، جس کی طاقت و قوت کا یہ عالم ہے۔ کہ جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں۔ تو بڑے بڑے سمندر تہہ و بالا ہو جاتے ہیں، اور اثر کا یہ عالم ہے کہ فوق و تحت کا کوئی گوشہ اور کوئی منفذ ایسا نہیں، جہاں یہ جوہر لطیف نہ ہو آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا راز بھی اس کی لطافت اور اس کے بقدر طاقت ہے۔

اب اگر ان عناصر اربعہ اور ان کے تینوں موالید جمادات نباتات حیوانات کی بے انتہا شاخوں کو ایک طرف رکھ کر صرف حضرت انسان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا، کہ عناصر اربعہ اس کے دست بستہ غلام ہیں انسان ان پر غالب متصرف ہے یہ سب عناصر اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج ہیں اگر حضرت انسان کی کارکردگی الگ کر دی جائے، تو اربعہ عناصر اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود کوئی کام سر انجام نہیں دے سکتے، لوہا خود بخود پتھروں کو کچل نہیں سکتا آگ خود لوہے کو گرماتی اور پگھلاتی نہیں پانی خود آگ کو بجھاتا نہیں، بلکہ

انسان ہی ہے۔ جو کہ کلیں بناتا ہے توڑتا ہے وہی بھٹیاں بنا کر لوہے کو پگھلاتا ہے وہی مشکیزے اور ظروف میں پانی لاتا ہے اور چولہے ٹھنڈے کرتا ہے، وہی ہوا کو قید کرتا اور سیارات کو اڑاتا ہے اور انسان نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

انسان ہی کی طاقتوں کا یہ عالم ہے کہ اس نے زمین کے قلب و جگر کو چیرا! کوئیں بنائے راستے بنائے تہ خانے تیار کئے ارضی معدنیات، سرمہ ہڑتال سونا چاندی اور پیتل وغیرہ کے خزانے اس سے چھین لئے۔

پہاڑوں کو تراش کر بلند و بالا مکانات بنائے۔ وتنحتون من الجبال بیوتًا (القرآن) ان میں ٹرنگیں نکالیں اور دفائن زمین کا راز فاش کر کے زمین کے خزانہ کو عالم آشکارا کر دیا۔ الغرض زمین اور اس کے ہر ذرے سے چاکروں کی سی خدمت لے رہا ہے۔

پانی کو حضرت انسان نے کسطرح رسوا کیا ہے، جگہ جگہ کنوئیں بنائے واٹر ورکس کا انتظام کیا اور جہاں چاہا پانی لے گیا ابو المیاہ سمندر اعظم جس کی کوہ پیکر موجوں کا لگاتار سلسلہ خشکی کے کناروں پر اس طرح حملہ آور محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابھی کرہ زمین کو نگل جائے گا اس کا یہ حشر ہے کہ حضرت انسان کے پاؤں نیچے روندا جا رہا ہے اس کے جہاز آبدوزیں چل رہی ہیں، سمندر کے خزانے اگلوائے اس کی چیزوں کو بازاروں میں رسوا کیا۔ حتیٰ کہ خود سمندر کے نمکین پانی کو تحلیل کر ڈالا اس سے آگے بڑھ کر ذلیل خدمات لی جا رہی ہیں۔ نجاستوں کا دھونا میلے کپڑے پاک کرنا ظروف کا صاف کرنا وغیرہ ذالک اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ انسان نے پانی جیسے عنصر لطیف کو کس طرح اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔

آگ جیسے خونخوار عنصر کو دیکھو انسان نے اس کو کس طرح اپنا مطیع کیا ہے لوہے پتھروں سے اسے نکالا۔ وہ آفتاب میں چھپی تو آتشی شیشوں کے ذریعہ اسے گرفتار کیا، خود اسے چھپانا چاہا تو ذرا سی دیا سلائی کے سرے پر ذرا سے مسالہ میں بند کر دیا جب چاہا اسے رگڑا اور آگ نکال لی جو آگ اپنے ترفع و تعلی کی بنا پر سر نیچا بھی نہ کرتی تھی وہ آج کسطرح انسان کی غلام و محکوم ہے

ہوا کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ انسان کی لطیف ترین نگاہیں اسے پا نہ سکتی تھیں لیکن آخر انسان نے اڑتے پرندہ کو کھلونا بنا لیا اس میں اپنے جہاز اڑائے خبر رسانی کی خدمت پر مجبور کیا گویا وہ ایک چٹھی رساں ہے جو مشرق سے مغرب تک انسان کی بلا اجرت چاکری کر رہی ہے، انسان اسے کہیں برقی پنکھوں میں پہنچا رہا ہے، کہیں موٹر کے پہیوں اور سائیکل کے ٹائروں میں بند کر رکھا ہے غرض یہ نادیدنی طاقت جس نے سمندروں کو تہ و بالا کر رکھا تھا انسان کے سامنے مجبور و بے بس ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں کہ عناصر اربعہ سے علیحدہ علیحدہ خدمت لے کر انسان کی طبیعت قناعت کرے بلکہ انہیں آپس میں لڑا لڑا کر ایجادات کر رہا ہے۔ آگ پانی کے درمیان لوہے کا پردہ حائل کر کے آگ کو دھونیا دیا آگ جوش میں پانی پر اٹھنا چاہتی ہے۔ پانی کھول کر آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے، لیکن انسان ان کے جوش و خروش سے اسٹیم کی طاقت پیدا کر کے انجن مشین چلا رہا ہے۔ پھر پانی کو پانی سے ٹکرا کر برق پیدا کر لی وہ بجلی جو آن واحد میں اقلیموں کی خبر لیتی ہے تانبے اور جست کے پتلے سے تار میں اس طرح باندھ رکھا ہے کہ بایں زور و طاقت باہر نہیں جا سکتی ذرا سا سوئچ ہے اسے دبا دو تو موجود اٹھا دو تو غائب، پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ آسمان کی جہاں سوز بجلی کو بے بس کر دیا بڑی بڑی بلڈنگوں پر چپٹے تار چڑھا دیئے ادھر یہ بجلی گری ادھر ان میں غلطاں و پیچاں ہو کر رہ گئی۔

پٹرول جیسی سیال چیز میں آگ لگا دی آگ اور تیل لڑ رہے ہیں، جب سے گیس پیدا ہو رہا ہے۔ اور حضرت انسان کا جہاز اڑ رہا ہے۔ موٹر دوڑ رہی ہے

الغرض ایک مشت استخوان نے ساری کائنات کا ناک میں دم کر رکھا ہے سوال یہ ہے کہ اس غلبہ و تسلط کا سبب کیا ہے؟ جسمانی طاقت مانا بڑی چیز ہے، لیکن لاکھوں من لوہے اور پتھروں پر غلبہ اس معمولی جسمانی طاقت سے تو ناممکن ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کا راز کچھ اور ہی ہو۔

ایک شیر نے اپنے خورد سال بچہ کو نصیحت کی تھی کہ انسان سے بچنا یہ بڑی چیز ہے، بچہ شیر اس بڑی چیز کے دیدار میں مارے مارے پھرتا تھا کہ آخر دیکھوں تو سہی وہ انسان کیا بلا ہے جس سے سلطان الصحرا بھی لرزتے کپکپاتے ہیں چلتے چلتے گھوڑے پر نظر پڑی اس کی مخصوص صفات سے بچہ شیر کو انسان کا دھوکا ہوا پوچھا تو گھوڑے نے کہا توبہ بھلا میں انسان کے ہاتھ میں ایک بے بس قیدی ہوں اس سے بچنا اب بچہ شیر اور گھبرایا آگے بڑھنے پر اونٹ نظر پڑا اس کے عجیب الخلقت جسم کو دیکھ کر سوچا کہ یہی نوع انسان ہوگا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ نا صاحب ہم تو اس کے ادنے چاکر ہیں، وہ جو ہماری گت بناتا ہے توبہ بھلی اس سے بچنا ذرا آگے ہاتھی پر نگاہ پڑی اس نے بھی اپنی چاکری کا اعتراف کرتے ہوئے پناہ مانگی بچہ شیر حیران تھا کہ یا اللہ وہ انسان کیا بلا ہے جس سے گھوڑا اونٹ اور ہاتھی تک لرزتے ہیں اسی اثنا میں ایک بڑھئی کے بچہ کو دیکھا جو ایک بڑے شہتیر کو چیر رہا تھا اور جتنا چیر چکا تھا اس میں ایک کھونٹی گاڑ رکھی تھی بچہ شیر کا یہ تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ انسان ہوگا، لیکن معلومات کے لئے پوچھا تو پتہ چلا کہ حضرت انسان یہی ہے بچہ شیر نے کہا کہ میرا باپ اور ہاتھی گھوڑا اونٹ بڑے احمق تھے اس سے ڈرتے رہے ایک جھپٹ میں اس کا کام تمام کر دوں بڑھئی کے بچہ نے سوچا برا وقت آیا کیا کیا جائے اس نے بچہ کی خوب تعریف کی جس سے وہ مست سا ہو گیا، پھر اس نے کہا کہ میں کمزور ہوں۔ حسن اتفاق سے آپ جیسا قوی آ گیا، شہتیر کی کھونٹی سرکانا چاہتا ہوں آپ اس کے شگاف میں ہاتھ اندر ڈال کر ذرا تھام لیں کہ میں سرکا دوں شیر نے ایک کی بجائے دونوں ہاتھ ڈال دیئے بڑھئی کے بچہ نے کھونٹی نکال لی

بن کا لقمہ تھا کہ دونوں پٹ مل گئے پھر بیچ بیچارے شیر کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے شیر نادم ہوا کہ بڑوں اور تجربہ کاروں کی نصیحت کی قدر کرنی چاہئے لیکن ساتھ ہی یہ سوچا کہ انسان حقیر اور کمزور ہے اس کا جسہ اس قابل نہیں ہاں البتہ کوئی اندرونی طاقت ہے جس سے اس نے ساری دنیا کو بے بس کر رکھا ہے

الغرض یہ حکایت عبرت اور انسانی طاقت سامنے لانے کے لئے پیش کرتی ہے اور مشاہدات کی رو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان میں ان عناصر سے کہیں زیادہ طاقت ہے جب ہی تو اس نے جہان رنگ و بو کو تہہ و بالا کر رکھا ہے اور جیسا ثابت ہو گیا کہ عناصر اربعہ سے اس میں طاقت کہیں زیادہ ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس میں لطافت بھی زیادہ ہے کیونکہ پہلے ثابت ہو چکا کہ لطافت ہی طاقت کا سرچشمہ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لطافت کیا ہے تو سیدھا اور آسان جواب ہے کہ روح انسانی!

اور روح انسانی کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ باوجود انسان کے رگ و پے میں سمائے ہونے کے کبھی اس کا دھکا تک انسان کو نہیں لگا۔ بلکہ کبھی لمس و مس تک کا احساس نہیں ہوا جب کہ ہوا جیسی لطیف چیز میں بھی دھکا اور لمس و مس سے بچنا محال ہے روح متصل ہے تو اتنی کہ اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور نہیں اور منفصل ایسی کہ کسی حاسہ کی اس تک رسائی نہ ہو خود اس پر کوئی سرد و گرم نہ پہنچ سکے اس لئے وہ فقط اپنے بدن پر ہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ پر غالب آجاتی ہے تو ظاہر ہے۔ کہ انسان میں ایسی چیز فقط روح ہی ہے کیونکہ انسان بدن و روح کے مجموعہ کا نام ہے بدن مادیات کا مرکب ہے وہ تو یہ کام کر نہیں سکتا۔ لہذا روح ہی باقی رہی اور یہی ہمارا دعویٰ ہے، کہ انسانی غلبہ و تسلط کا راز روح ہی میں ہے روح کی لطافت و حسن نورانیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک انسانی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکی اس کا فوٹو نہیں لیا جا سکا۔ اسے ہوا کی طرح کنٹرول کرنے کا کوئی ذریعہ بن سکا اور ایک روح ہے کہ سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہے جہان بھر کا فوٹو وہ لے لے تسخیری وہ بنا لے اور سب پر غلبہ و تسلط حاصل کر لے۔

سوال یہ ہے کہ روح ہے کیا؟ پیغمبر علیہ السلام سے سوال ہوا آپ نے من جانب اللہ جواب دیا الروح من امر ربی اور اس امر ربی کو اب کائنات سے عجیب مماثلت ہے مثلاً حق تعالیٰ غیر مرئی طریق پر تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے، تو اسی طرح روح کائنات بدن کی قیوم و مربی ہے پھر جس طرح انوار باری تعالیٰ کائنات کے ذرہ ذرہ میں آشکارا ہیں اور ہر ہر خطہ و جزو میں اس کی مناسبت سے کام لے رہے ہیں، اور اس ظہور تام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں دیکھا نہیں، اسی طرح انوار روح کائنات بدن کے ہر عضو میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ہر عضو سے مناسب کام لے رہے ہیں اور اس ظہور تام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں نہیں دیکھا۔ اسی طرح روح کے انوار کام ہر عضو میں کر رہے ہیں۔ اور نظر نہیں آتے۔

ع

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

گو جس طرح وہ ظاہر ہے اور باطن بھی اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے اور باطن بھی۔

پھر جس طرح ... اس ساری کائنات کی زندگی، و رزندگی کی ہر نقل و حرکت سے ذات حق اول اور مقدم ہے، کہ اللہ ہی معلی و موجد ہے۔ اسی طرح ذات حق کائنات کی ہر نقل و حرکت کا منتہی بھی ہے، ٹھیک اسی طرح بدنی کائنات کی نقل و حرکت بلکہ اس کے نفس کی ہستی سے بھی روح اول بھی ہے اور آخر بھی کیوں کہ روح ہی بدنی حیات کا باعث ہے، جب یہ نہ تھی تو بدن نہ تھا اور بعد میں بھی یہی ہو گی تو یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح کائنات عالم اول و آخر ذات حق ہے۔ اسی طرح کائنات بدنی کی اول و آخر روح ہے۔

پھر جس طرح ذات حق عالم سے متصل اتنی ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید اور وهو معكم اين ما كنتم اس کی شان ہے اور پھر منفصل اتنی کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء مخلوق ظلمت محض اور وہ نور مطلق ٹھیک اسی طرح روح بھی بدن سے متصل تو اتنی ہے کہ زندہ بدن کی کسی رگ کا کوئی حصہ بھی اس سے الگ نہیں ورنہ زندہ نہ رہے لیکن دور بھی اتنی ہے کہ اس کی پاکیزگیاں بدن سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رکھتیں کیونکہ لطیف و کثیف میں کیا تناسب اور کیا رشتہ

کجا یہ مشت خاک اور کجا وہ جوہر پاک!
چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا!

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسانی قوت و طاقت کا سرچشمہ روح ہے اور اسے ذات حق سے مناسبتیں ہی نہیں مماثلتیں بھی ہیں اور یوں بھی روح امر ربی ہے لہذا: تو اس کو جتنا صحیح استعمال کیا جائیگا۔ اتنے ہی بہت فوائد رونما ہوں گے جتنی غلط روی کا طریق اپنایا جائیگا اتنی ہی بربادیاں ہوں گی تو پہلے ایک مشرقی محقق کا قول لکھا تھا، کہ سائنس میں مقصود و وسیلہ کی نسبت ہے کتنا درست قول ہے اللہ تعالیٰ جو سراپا لطافت ہی نہیں بلکہ منبع لطافت ہے کما قال ان اللہ لطیف (قرآن پاک) اور دوسری طرف روح بھی امر ربی ہونے کے سبب لطیف ہے اور لطافت ہی قوت کا سرچشمہ ہے اور بغیر قوت سائنسی ایجادات ناممکن ہیں تو بیجا نہ ہو گا، اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح لطافتوں کا منبع حق تعالیٰ کی ذات ہے اسی طرح منبع طاقت بھی وہی ہے اور جب منبع طاقت وہ ہے تو سائنسی ایجادات کا سرچشمہ اور مرکز و محور بھی اسی کی ذات ہے اپنی پاکیزگی و اسی نیک نفسی اور قوت تقویٰ و نیکی کی بنا پر جس کی روحانیت جتنی بلند ہو گی اتنی ہی اس میں انکشافات و ایجادات کی طاقت ہو گی جب یہ مقدمات ثابت ہو گئے تو یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ منبع لطافت و طاقت کی طرف سے بھیجا

بجا آخری اور مکمل دین ایجاد و اکتشافات سے کس طرح روک سکتا ہے اور ترقی کی راہ میں کس طرح آڑے آسکتا ہے۔ وہ دنیا والوں کو ترقی کی راہیں اپناتا ہے اس پر ابھارتا ہے کما قال فاستبقوا الخیرات اور فی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون۔ لیکن مادیات محض میں انہماک اور غلو اور روحانی ترقی سے پہلو انتہائی کورچشمی اور بدبختی ہوگی جب یہ مسلمہ امر ہے کہ اسلام مقصود ہے اور سائنس وسیلہ تو مقصود کے لئے اس کے تناسب سے اور وسیلہ کے لئے اس کے تناسب سے کوشش کرنا دانشمندی ہے بدقسمتی سے آج مقصود کو کوئی پوچھتا نہیں اور وسیلہ کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں اب ہم آئیندہ عرض کریں گے کہ وسیلہ کے لئے جائز و ناجائز کوششوں سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا اور تعمیر و ترقی عالم میں ان کوششوں کا حصہ کیا ہے، پھر بدقسمتی سے مسلمانوں نے یہاں سوائے سائنس کا لٹریچر پڑھنے کے کوئی عملی کارفرمائی ہے یا کہ نہیں ہو پایا۔

۶ ⁝ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

بہرحال اس اصولی بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ سائنس کا موضوع عناصر اربعہ یا بالفظ دیگر:

مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ ہیں۔

(۲) عناصر اربعہ میں جسقدر لطافت ہے اسی قدر اس میں لطافت ہے اور وہی لطافت اسی کی قوت کا سرچشمہ ہے

(۳) حضرت انسان موالید ثلاثہ کی بے انتہا شاخوں میں ایک ایسا ہے جس نے اپنی بے انتہا قوتوں سے عناصر اربعہ کو فرداً فرداً نہیں بلکہ باہمی ملا کر ایجادات و اکتشافات کا لاانتہا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اس طرح اپنے غلبہ و تسلط کا ثبوت بہم پہنچا رہا ہے

(۴) حضرت انسان کا یہ کمال اس کی جسمانی قوت کا مرہون منت نہیں بلکہ روح کا مرہون منت ہے،

(۵) روح کو حضرت حق سے کئی ایک مماثلتیں ہیں کہ روح امر ربی ہے

(۶) قوت و طاقت کا سرچشمہ حضرت حق کی ذات ہے کیوں کہ وہی منبع لطافت ہے اور یہ طاقت در اصل لطافت کے سبب ہے۔

(۷) اس اعتبار سے منبع لطافت کے امر یعنی روح سے جسے جسقدر حصہ ملا ہوگا اس کی قوت، ایجادات و اکتشافات اسی قدر بلند و بالا ہوگی۔

(۸) لیکن اسلام اور سائنس کو مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگی

اس لئے ایک سچے مسلمان کی ہمت و فکر کا اصل میدان اسلام ہوگا۔ اور وسیلہ کا میدان اسی تناسب سے اختیار کیا جائے گا۔ جب اسلام و سائنس میں مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگئی۔ تو

(الف) ایک مفکر کا یہ قول غلط فہمی پر مبنی ہوگا کہ سائنس اور مذہب حقیقت تک پہنچنے کے دو راستے ہیں،

(ب) سائنس کو الحاد کے مترادف قرار دینے والا گروہ سراسر غلطی کا شکار سمجھا جائے گا۔

(ج) اور نہ ہی سائنس و مذہب ایکدوسرے کی ضد ہوں گے بلکہ ان میں معقول نسبت ہے اور اپنے اپنے مقام پر اس سلسلہ میں قوت و فکر کی پرواز درست اور صحیح ہوگی اس لیئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا، کہ "ارتقاء پسند انسانی عقل اور ربانی ہدایات کا سنگم اسلام ہے۔"

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کر دینا مناسب ہے جس میں سائنس و مذہب کی اصلیت و حقیقت اور باہمی فرق مراتب کو نہایت احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا، یہ ارشاد رسول بھی اس چیز کی غمازی کرتا ہے کہ سائنس و مذہب ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ جن چیزوں پر آج طبع آزمائی ہو رہی ہے ان کو اپنے اصلی مقام پر رکھکر ایک نبی امی نے آج سے چودہ سو سال پہلے واضح کر دیا تھا ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

فاعتبروا یا اولی الابصار نبی رحمت نے فرمایا کہ جب اللہ میاں نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے اور ڈولنے لگی تب اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان سے زمین پر جم جانے کے لئے فرمایا ملائکہ نے پہاڑوں کی شدت و صلابت پر تعجب کیا اور کہنے لگے کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں لوہا ہے، اس پر پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار تیری مخلوق میں لوہے سے بڑھ کر بھی کوئی سخت چیز ہے۔ فرمایا ہاں آگ ہے "پھر عرض کیا اور آگ سے سخت، ارشاد فرمایا پانی عرض کیا اور پانی سے سخت کوئی چیز ہے، فرمایا ہاں ہوا۔ پھر ملائکہ نے پوچھا اور ہوا سے بڑھکر بھی سخت چیز کوئی ہے تو فرمایا ہاں اولاد آدم جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو (ترمذی)

اندازہ لگائیں کہ سائنس کے موضوع یعنی مادیات کو کسطرح ترتیب سے بیان فرما کر اور پھر انسان کی طاقت و قوت کو واضح فرمایا لیکن اس طاقت کا سبب کوئی مادی چیز نہیں بلکہ وہی روحانی عظمت و برتری جس کو پہلے ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔

جسم کی صحت کم کھانے میں، روح کی صحت کم سونے میں اور قرب الٰہی بہت رونے میں ہے۔

(اجمیری)

واقعاتِ جنگِ بدر

تحریر: علامہ محمد یوسف جبریل

جنگ بدر سے قبل رسولؐ نے مجلس مشاورت طلب کی۔ مہاجرین نے جانثاری کا یقین دلایا۔ آپؐ نے دوبارہ مشورہ طلب کیا۔ تو سعد بن عبادہ انصاری نے عرض کیا کہ غالباً آپ کا روئے سخن ہماری (انصار) طرف ہے۔ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم موسیٰؑ کی امت نہیں کہ کہیں گے۔ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب دونوں لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ایسا نہیں۔ ہم تو آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے آپ کے ہمراہ لڑیں گے۔ حضرت مقداد کے یہ الفاظ سن کر آنحضورؐ کا چہرہ مبارک فرطِ مسرت و پسندیدگی سے دمک اٹھا مشاورت ختم ہوئی۔ تو لشکر کی فراہمی کا مسئلہ درپیش ہوا۔ مسلمان جوشِ جہاد سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دو بچوں کا جوش و خروش دیکھنے والا تھا۔ مسلمان صفوں میں کھڑے تھے اور آنحضورؐ فرداً فرداً ہر ایک مجاہد کا معائنہ کر رہے تھے۔ اسی صف میں ایک کم سن بچہ بھی شامل تھا۔ اپنے آپ کو اونچا ثابت کرنے کے لئے اس نے دونوں ایڑیاں اُوپر اٹھا رکھی تھیں۔ آنحضور نے فرمایا۔ بچے تو ابھی کم سن ہے۔ تو لڑائی میں نہیں جا سکتا۔ یہ سن کر بچے نے کچھ اس طرح آہ و زاری کا مظاہرہ کیا کہ آنحضورؐ نے اسے اجازت دے ہی دی۔ آپؐ آگے بڑھے تو ایک اور بچہ نظر پڑا اسے بھی آپؐ نے کم سنی کی بنا پر جنگ میں شامل ہونے سے باز رکھنا چاہا۔ مگر اس نے دلیل یہ دی کہ آپؐ نے فلاں لڑکے کو تو جنگ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے مگر مجھے اجازت نہیں مل رہی۔ آپؐ مجھے اس سے کشتی لڑا لیں۔ پس یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں بچوں کو کشتی لڑائی جائے۔ جب کشتی ہوئی تو اس بچے نے پہلے بچے کو کشتی میں پچھاڑ دیا۔ اور یوں یہ کشتی جیت کر اس نے بھی جنگ میں شمولیت کی اجازت حاصل کر لی۔

مسلمان تعداد میں کل تین سو تیرہ تھے۔ ان میں بچے بھی تھے۔ بوڑھے بھی تھے۔ ضعیف اور ناتواں بھی تھے۔ لوگوں کے پاس ٹوٹی ہوئی تلواریں تھیں۔ بعض لوگوں نے ڈھالوں کی بجائے چٹائیاں اپنے ہاتھوں پر لپیٹ رکھی تھیں۔ زرہیں صرف ساٹھ آدمیوں کے پاس تھیں اور گھوڑے صرف دو کے پاس تھے۔ سامانِ رسد بالکل ناکافی تھا۔ بدر پہنچ کر یہ مختصر سا لشکر ایک چشمے کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مقابلے پر قریش مکہ کے آدمی تین گنا تھے۔ اس لشکر کا ہر فرد پوری طرح سے مسلح تھا۔ جو سو زرہ پوش تھے۔ سو گھوڑے تھے۔ سامان رسد وافر مقدار میں موجود تھا اور سامانِ طرب اس پر مستزاد۔ لشکر کی کمان عقبہ بن نافع عتبہ بن ربیع کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر لشکر قریش رات بھر عیش کوشی و بدمستی میں مصروف رہا۔ ادھر رسولؐ تمام رات خضوع و خشوع سے دعا میں مصروف رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کہتے ہیں کہ آپؐ صلعم پر ایسا استغراق طاری تھا کہ بار بار آپؐ کی چادر مبارک آپؐ کے سر سے ڈھلک جاتی۔ جب صبح ہوئی اور لشکروں کی صفیں درست ہوئیں۔ اور آپؐ نے لشکر قریش پر ایک نگاہ ڈالی۔ تو فرمایا۔ مکہ نے اپنے جگر گوشے جنگ میں جھونک دیئے ہیں۔ اور پھر اپنے اللہ سے عرض کیا۔ یا باری تعالیٰ تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے۔ وہ آج پورا کر۔ آج اگر یہ تیرے چند بندے مٹ گئے۔ تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔ دونوں لشکر بالمقابل ہوئے۔ تو عجیب کیفیت تھی۔ بھائی بھائی کے مدمقابل کھڑا تھا۔ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے جنگ آزما ہونے کا منتظر تھا۔ اللہ کے دین کی عظمت کے مقابلے میں خونی قرابتیں ہیچ ہو چکی تھیں۔ ابوبکر صدیق اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ مگر ابوبکر صدیق کا بیٹا عبدالرحمان لشکر کفار میں شامل تھا۔ جب صفوں کی ترتیب مکمل ہو گئی تو معاً لشکر قریش سے عامر اپنے مقتول بھائی عمر بن الحضرمی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے میدان میں نکلا۔ اور مبارز طلب ہوا۔ ادھر سے حضرت عمرؓ کا غلام مقبول ہوا۔ اور چشم زدن میں خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ اس کے بعد قریش کے تین سردار عتبہ۔ شیبہ اور ولید ھل من مبارز (ہے کوئی لڑنے والا) کا نعرہ لگاتے ہوئے میدان میں بڑھے۔ ادھر سے مقابلے کی خاطر تین انصاری جوان آگے بڑھے۔ تو ان قریشی سرداروں نے کہا۔ ہم مدینے کے چرواہوں سے نہیں لڑیں گے۔ ہمارے مقابلے کے آدمی بھیجو یہ سن کر انصار واپس لوٹ آئے۔ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ آگے بڑھے۔ مقابلہ شروع ہوا۔ حضرت حمزہ نے بڑھ کر عتبہ کو اور حضرت علیؓ نے بڑھ کر ولید کو کاٹ دیا۔ حضرت عبیدہ شیبہ کے

(باقی ص ۲۱ پر)

اکل حلال اور صلحاء امت

تحریر محمود عارف - لاہور

عبادات میں اکل حلال کی جو اہمیت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ اکل حرام کا ایک ادنیٰ سا ذرہ بھی۔ بڑی سے بڑی عبادت اعلیٰ سے اعلیٰ ریاضت کو اکارت کر دیتا ہے۔ عبادت الٰہی میں اس وقت تک کمال حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک خورد و نوش میں طیب اور حلال کی تمیز پیدا نہیں ہوتی!

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اگر کوئی بندہ اتنی عبادت کرے کہ جس سے وہ سوکھ کر کانٹا ہو جائے۔ بخدا۔ اس کو اس کی یہ عبادت و ریاضت کوئی نفع نہیں دے سکتی۔ جب تک کہ وہ اکل حلال اور پرہیزگاری کو بطور حرفت اور پیشے کے نہیں اپنا لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ صلحاء امت کے یہاں اس مسئلے کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ انہیں۔ اس کی اتنی فکر رہتی تھی کہ اس کے مقابلے میں دوسری کوئی چیز بھی، ان کی نگاہوں میں کوئی۔ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

ذیل میں ہم اخیار امت کے اسی قسم کے واقعات نقل کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے واقعات کے آئینے میں ہم اپنی شکلیں دیکھ سکیں اور ہمیں معلوم ہو کہ ہم جن بزرگوں کا نام لیتے ہیں۔ ان کا تصور معاش کیا تھا؟ اور وہ کس طرح اپنی زندگی کے اس پہلو کو آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک اور صاف رکھتے تھے۔

۱- حضرت ابراہیم ابن ادھم کا واقعہ۔

ابراہیم ابن ادھم علیہ الرحمۃ نے جب اپنی آبائی ریاست اور جدی حکمرانی کو چھوڑا۔ تو انہیں فکر ہوئی کہ اکل حلال کیونکر حاصل کیا جائے۔ چنانچہ وہ اسی طلب میں خراسان سے نکلے اور عراق کی سلطنت کے حدود میں جا پہنچے اور وہاں ایک باغ کی نگہبانی پر بطور مالی کے ملازم ہو گئے جس سے انہیں ماہانہ دس درہم کی اجرت ملتی تھی۔ اور ان کی اس سے گزر اوقات ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس باغ کا مالک سیر و تفریح کی غرض میں آیا۔ اور اس کے ساتھ اور بھی لڑکے تھے اور کہنے لگا۔ اے ابراہیم کچھ میٹھے سیب تو لا دو۔ ابراہیم ابن ادھم گئے۔ اور موٹے موٹے سیب توڑ کر مالک کے سامنے پیش کر دیئے۔ مالک نے انہیں چکھا۔ تو معلوم ہوا کہ سب ترش ہیں۔ تو ابراہیمؒ سے کہنے لگا۔ کہ میں نے میٹھے سیب مانگے تھے اور تو نے ترش لا کر دے دیئے۔ ابراہیم ابن ادہم دوبارہ گئے۔ اور ان کی نظروں میں جو سیب عمدہ رنگ و روپ کے تھے۔ وہ چھانٹ کر لے آئے۔ مگر وہ بھی ترش نکلے۔ تو مالک نے غضبناک ہو کر کہا۔ کہ ہم تم سے میٹھے سیب مانگتے ہیں اور تو ہمیں ترش لا کر دے دیتا ہے۔ ابراہیم ابن ادھم نے کہا کہ — میں اپنے طور پر— وہی لاتا ہوں جس کا رنگ عمدہ ہو اور جس کی ظاہری ہیئت جاذب نظر ہو، باقی اس کے باطن کا معاملہ تو وہ اللہ کے علم میں ہے مجھے نہیں معلوم۔ تو مالک نے تعجب سے پوچھا کہ تجھے یہاں ایک مدت گزر گئی۔ کیا تو نے کبھی یہ سیب نہیں چکھے۔ ابراہیم ابن ادھم نے فرمایا کہ آپ نے مجھے اس باغ کی نگہبانی اور حراست کے لئے ملازم رکھا تھا۔ کوئی چکھنے کے لئے تھوڑا ہی ملازم رکھا تھا یہ سن کر باغ کے مالک نے نے کہا (جو ابراہیم ابن ادھم کی اصلی حیثیت سے ناواقف تھا) کہ چھوڑ یار تو کوئی ابراہیم ابن ادھم تھوڑا ہی ہے جو اس قدر ورع اور پرہیزگاری اختیار کرے۔

یہ سنتے ہی ابراہیمؒ نے کنجیاں باغ کے مالک کو واپس کر دیں اور روانگی کی اجازت چاہی۔ مالک نے ہر چند اصرار کیا۔ اور اجرت کی زیادتی کی طمع بھی دلائی۔ مگر ابراہیم ابن ادھم کسی صورت میں آمادہ نہ ہوئے بلکہ کہنے لگے کہ پہلے تو میرے کام کی اجرت مجھے ملا کرتی تھی مگر اب مجھے میرے زہد اور پرہیزگاری کی اجرت بھی ملے گی۔ یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ایک مدت کے بعد شفیق بلخی نے انہیں دیکھا۔ علیک سلیک کے بعد حال پوچھا تو ابراہیم فرمانے لگے کہ بھائی حال کیا پوچھتے ہو طلب حلال میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف اور ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی جانب چل پھر رہا ہوں ....

اس لئے کہ اس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کہ جب تک اکل حلال حاصل نہ ہو۔" (حکایات الصالحین)

واقعہ ایک اور شخص کا

خراسان کے ایک شخص کو یہ شوق ہوا کہ وہ رحمی اکل حلال حاصل کرے۔ کسی شخص نے اسے بتایا کہ تیرا یہ مقصد حسن بصریؒ کے ہاں۔ بصرہ میں پورا ہو سکتا ہے چنانچہ یہ شخص بصرہ میں حسن بصری کے در دولت پہ حاضر ہوا اور اپنا مقصد آمد بیان کیا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اکل حلال میرے پاس نہیں مل سکتا، فرمانے لگے کہ بات یہ ہے کہ میں فقیر آدمی ہوں۔ لوگ مجھے کچھ نہ کچھ دے جاتے ہیں جن کی بابت مجھے کچھ علم نہیں ہوتا۔ کہ حلال کے ضمن میں آتے ہیں یا حرام کی مد میں۔ اس لئے میں انہیں اس وقت تک نہیں کھاتا۔ کہ جب تک مجھے زور کی بھوک نہیں لگتی۔ اتنی بھوک کہ جس سے مردار کھانا بھی جائز ہو جائے۔ تب میں اس میں سے تھوڑا بہت کھا لیتا ہوں۔ یہ عموماً تین دنوں کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ اگر تجھے واقعی طلب حلال کا شوق ہے تو فلاں قصبے میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ۔ وہاں تیرا مقصد ضرور پورا ہوگا۔

وہ شخص وہاں سے روانہ ہوا۔ اور مطلوبہ قصبے میں مطلوب شخص کے پاس جا پہنچا، دیکھا کہ ایک شخص دو بیلوں کو ہانک رہا ہے اس سے جا کر اپنا مقصد بیان کیا تو وہ شخص کہنے لگا کہ میرے بھائی اگر تھوڑی دیر پہلے تو میرے پاس پہنچتا تو بہت ممکن تھا کہ تیرا مقصد پورا ہو جاتا مگر اب نہیں ہو سکتا، قصہ یہ ہے کہ ابھی تھوڑی دیر قبل ہر بیل آپس میں لڑنے لگے۔ ایک بیل اسی کشاکشی میں ہمسایوں کی زمین میں جا گھسا۔ جس سے اس بیل کے پاؤں مٹی سے آلودہ ہو گئے تو جب وہ دوبارہ میرے کھیت میں مل گئی، جس سے تمام کھیت ہی مشکوک ہو گیا اب تو ہی بتا۔ میرے پاس رزق حلال کہاں ہوا؟

کھمس ابن حسین کا مشکوک دینار لینے سے انکار

ایک بزرگ جن کا نام کھمس ابن حسین تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک محفل میں تشریف فرما تھے ان کے ہاتھ میں ایک دینار تھا۔ اتفاقاً وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ڈھونڈا گیا مگر نہ مل سکا۔ کافی دیر کے بعد دستیاب ہوا تو اسے ان کے پاس لایا گیا۔ مگر انہوں نے اس کے لینے سے اس بنا پہ انکار کر دیا کہ مجھے اپنے دینار کے متعلق پورے وثوق سے یہ معلوم نہیں کہ یہ وہی ہے ممکن ہے کسی اور صاحب کا ہو۔ دوست احباب کہنے لگے کہ ہم میں سے کسی کا بھی نہیں۔ لازماً آپ ہی کا ہوگا فرمانے لگے کہ ہو سکتا ہے ہم سے پہلے کوئی صاحب یہاں کچھ دیر کے لئے تشریف فرما رہے ہوں۔ ان کی جیب سے گر پڑا ہو اور انہیں نہ مل سکا ہو۔

محض اس احتمال کی وجہ سے اپنا وہ دینار خود نہیں لیا، البتہ راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔ (حکایات الصالحین عربی)

ابراہیم ابن ادھم اور ان کا زہد

ابراہیم ابن ادھم فرماتے ہیں کہ دفعہ میں بیت المقدس کی مسجد میں حاضر تھا جب ہم عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکے اور تمام لوگ چلے گئے اور رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو دو فرشتے نازل ہوئے اور محراب کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے سے کہا کہ یہاں پر کسی ابن آدم کی کچھ بو محسوس ہو رہی ہے دوسرے نے کہا سچ ہے یہاں پر ابراہیم ابن ادھم تشریف رکھتے ہیں۔ پہلا فرشتہ کہنے لگا کہ ان کی حالت نہایت افسوسناک ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں مصیبتیں سہیں، یہاں تک اولیاء اللہ کے مقام پر فائز ہو گئے مگر صرف ایک لغزش کی وجہ سے اپنے اس مرتبے کو کھو بیٹھے۔ دوسرے فرشتے نے پوچھا۔ وہ لغزش، وہ کوتاہی کیا ہے۔ پہلا کہنے لگا کہ جن دنوں وہ بصرے میں ہوتے تھے ان دنوں کی بات ہے کہ انہوں نے ایک پھل فروش سے کچھ کھجوریں خریدیں، ایک کھجور جو پھل فروش کی تھی۔ ابراہیم کی کھجوروں کے پاس گر پڑی۔ ابراہیم سمجھا کہ یہ شاید اسی کی ہے چنانچہ وہ یہ سمجھ کر اسے کھا گیا۔ تو اس کی یہ غلطی کہ اس نے ایک مشکوک چیز کو، اپنی سمجھ کر تناول کر لیا تھا، اس کے اس مقام رفعت سے پھسلنے کا باعث بن گئی۔

ابراہیم ابن ادھم نے جب یہ واقعہ سنا تو چیخ ماری اور فوراً بصرہ کے لئے روانہ ہو گئے، تلاش بسیار کے بعد وہی پھل فروش ملا۔ اس سے کچھ کھجوریں خریدیں اور پھر واپس کر دیں اور اسے بتلا دیا کہ گزشتہ دنوں میں نے آپ سے کچھ کھجوریں خریدی تھیں جن میں ایک کھجور آپ کی بھی غلطی سے شامل ہو گئی تھی۔ سو یہ کھجوریں اس ایک کھجور کا کفارہ ہیں، پھل فروش نے جب یہ ماجرا سنا، تو اس نے اس کھجور کو معاف کر دیا اور وہ کھجوریں بھی واپس کر دیں۔ فرماتے ہیں:-

اس کے بعد پھر ایک دفعہ میرا بیت المقدس میں آنا ہوا تو پھر حسب سابق وہی واقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ کے محراب کے پاس دو فرشتے باہم گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ مجھے ابن آدم کی کچھ بو محسوس ہوتی ہے، دوسرے نے کہا کہ ہاں یہاں ابراہیم ابن ادھم بیٹھے ہوئے ہیں جو اپنے مقام سے محض ایک لغزش کی وجہ سے ... اتار دیئے گئے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ انہیں اس مقام پر اپنے فضل اور کرم سے ممتاز کر دیا۔ (حکایات الصالحین

قصہ ایک شہزادے کا

ابراہیم شیبانی قصے کے راوی ہیں:

کہ روم کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نوجوان بیٹا مسلمان ہو گیا۔ کچھ دنوں تو اس نے اپنی حالت کو کامیابی سے چھپائے رکھا۔ مگر کب تک؟ آخر بات کھل گئی اور ہوتے ہوتے اس کے کافر باپ کے کانوں تک بھی جا پہنچی، باپ نے ارادہ کیا کہ اسے سب کے سامنے عبرت کے لئے قتل کر دے لیکن شہزادہ وہاں سے اپنی جان بچا کر جانے میں کامیاب ہو گیا اور ساٹھ برس کی عمر تک دیس بدیس اللہ کی عبادت کرتا رہا۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہمارے شہر میں انہیں مرض الموت آن لگی۔ ایک دن میں بھی عیادت کو حاضر ہوا۔ تو میں نے اسے پہلو کے بل لیٹے ہوئے پایا۔ سر کے نیچے ایک اینٹ رکھی تھی مجھے اس کی موجودہ حالت سے اور ..... اس کے اونچے نسب کے خیال سے اس پر بڑا تعجب ہوا۔ دنیا کی شان دیکھئے کہ جس نے امارت و ریاست کی چھاؤں میں آنکھ کھولی تھی اس کی موت کس کسمپرسی کے عالم میں آ رہی ہے۔

میں اس کے قریب گیا اور پوچھا کہ اس کا کسی چیز کے کھانے کو جی چاہتا ہے کہنے لگا کہ ہاں میٹھے سیب کھانے کو دل چاہتا ہے۔

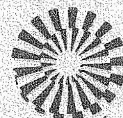
میں اپنے گھر آیا۔ اور اپنے ایک پڑوسی سے رسی اور کلہاڑی عاریتاً مانگی۔ اور اسے لے کر جنگل میں پہنچا..... وہاں سے لکڑیاں کاٹیں اور لا کر بازار میں فروخت کر دیں۔ اس سے جو رقم ملی اس سے سیب خرید کئے۔ اور مریض شہزادے کی خدمت میں لا کر پیش کر دیئے۔

مریض نے جو کہ اب جان بلب ہو رہا تھا۔ آنکھیں کھولیں سیب دیکھے تو خوش ہوا۔ پوچھنے لگا کہ یہ کیسے حاصل ہوئے ہیں۔ میں نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ کہنے لگا کہ وہ پڑوسی جن سے کلہاڑی اور رسی مانگی تھی کیسے ہیں آیا۔ نیک ہیں۔ یا برے۔ جب تک یہ تحقیق نہیں ہو جاتی۔ اس وقت تک میں ان کو نہیں کھاؤں گا۔ ابراہیم شیبانی فرماتے ہیں کہ:

میں نے جب ان کے متعلق معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ فاسق قسم کے لوگ ہیں۔ اس کا جب میں نے شہزادے کے سامنے تذکرہ کیا۔ تو اس نے ان سیبوں کے کھانے سے انکار کر دیا۔ اور بھوک ہی کی حالت میں جان آفریں کے سپرد کر دی (حکایات الصالحین عربی)

٥ = حرف آخر = ٥

ان واقعات کے ذیل میں ہمیں اپنے بھی گریبان میں جھانکنا چاہیئے۔ اگر ہم ابراہیم ابن ادھم، کھمس ابن حسین، حسن بصری نہیں بن سکتے تو ہمیں حتی المقدور اپنی سی کوشش کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔



بقیہ: واقعات جنگِ بدر

ہاتھوں زخمی ہو گئے۔ مگر حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ بدر کے روز جب صف بندی ہوئی تو میں نے دیکھا۔ کہ میرے دائیں بھی ایک نوعمر لڑکا ہے اور میرے بائیں بھی ایک نوعمر لڑکا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ آج جنگ کا کچھ لطف نہیں آئے گا۔ مجھے تو ان دو بچوں کی حفاظت بھی کرنا ہو گی اور لڑنا بھی ہو گا۔ میں یہی سوچ رہا تھا۔ کہ میرے دائیں طرف کھڑے ہوئے بچے نے مجھ سے پوچھا چچا۔ وہ ابوجہل جو حضورؐ کا دشمن ہے کہاں کھڑا ہے میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ دیکھو۔ وہ شخص جو اپنے باڈی گارڈ، رسالے کے درمیان کھڑا ہے وہی ابوجہل ہے میں نے یہی کہا کہ دونوں لڑکے آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ابوجہل پر جھپٹ پڑے۔ لڑتے لڑتے ان میں سے ایک کا بایاں بازو کٹ گیا۔ مگر ایک رگ سے ابھی جڑا ہوا تھا۔ اور وہ ادھر ادھر لٹک رہا تھا۔ اس لڑکے نے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر توڑ کر دور پھینک دیا اور پھر لڑائی میں شریک ہو گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ابوجہل کو چت کر دیا۔ لیکن خود بھی وہیں ڈھیر ہو گئے ان بچوں کا نام معاذ اور معوذ تھا اور یہی وہ دونوں بچے تھے۔ جنہوں نے کشتی لڑ کر جنگ میں شمولیت کی اجازت حاصل کی تھی۔ مسلمان اس بے جگری سے لڑے کہ قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے جا چکے تھے۔ ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر کے قریب قیدی بنا لئے گئے۔ ان قیدیوں سے اتنا اچھا سلوک کیا گیا کہ ان میں سے اکثر اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ بدر کی جنگ کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اسی جنگ پر اسلام مستقبل کا دارومدار تھا۔ اگر خدانخواستہ معاملہ الٹ پڑ جاتا۔ تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اسلام کا چراغ گل ہو جاتا۔

مطبوعاتِ جدیدہ

"تذکرہ مصنفینِ درسِ نظامی"

مصنّف :- جناب اختر راہی ایم اے
ناشر :- مسلم اکادمی ۲۹/۱۸ محمد نگر لاہور
صفحات :- ۲۸۰ کتابت و طباعت معیاری
قیمت :- چھ روپے صرف

دینی مدارس کا مروجہ نصاب حضرت ملّا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۶۱ھ نے ترتیب دیا تھا اور اس بات کا انہوں نے خاص طور پر خیال رکھا کہ دینی علوم حاصل کرنے والا طالب علم عربی صرف نحو و ادب، قرآن و حدیث فقہ و اصول فقہ اور اس کے ساتھ منطق فلسفہ و ریاضی میں اس قدر مہارت حاصل کرلے کہ وہ اسلامی علوم و فنون پر اسلاف کی تحقیقات سے براہِ راست استفادہ کر سکے۔ اس نصاب کی مقبولیت اور افادیت اسی سے ظاہر ہے کہ آج برصغیر کے لاکھوں مدارس میں یہی نصاب نافذ ہے اور موجودہ دور میں اسلامی علوم و فنون کی حفاظت کرنے والے محدثین مفسرین، فقہاء ادباء اور ارباب منطق و فلسفہ کی غالب اکثریت اسی نصاب کی فیض یافتہ ہے۔ ملّا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ نے اس نصاب میں جو کتب شامل کی تھیں۔ وہ بلند پایہ اہل علم و فضل کی عظیم یادگار ہیں اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ ان کتابوں کے ساتھ ساتھ کتابوں کے مصنّفین کے حالات زندگی اور کارنامے بھی سامنے لائے جائیں جناب اختر راہی بلاشبہ تبریک و تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی! "تذکرہ مصنفین درس نظامی" میں صحاح ستہ کے مصنفین کے علاوہ امام طحاوی رحمہ اللہ، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ قاسم بن علی حریری رحمہ اللہ ملّا عبد الرحمن جامی رحمہ اللہ اور مفتی عنایت علی کاکوروی رحمہ اللہ سمیت درس نظامی کے کم و بیش ۷۰ بلند پایہ مصنفین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔

دینی مدارس کے مدرسین اور طلبہ کے لئے بالخصوص اس کتاب کو پاس رکھنا اور اس کا بار بار مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ انہیں یہ بھی معلوم ہو سکے کہ جن اسلاف کے علوم کے وہ وارث ہیں انہوں نے کن حالات میں علم کی خدمت اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کا فریضہ ادا کیا۔

بچوں کے لئے قرآن صفحات :- ۱۶۰ قیمت ۵-۵۰
بچوں کے لئے حدیث :- صفحات :- ۱۶۰ قیمت ۵-۵۰
بچوں کے خطرے :- صفحات :- ۱۸۰ قیمت ۶-۲۵

تصنیف :- ڈاکٹر عبد الرؤف پی ایچ ڈی
ناشر :- فیروز سنز لاہور

کتابت، طباعت معیاری، خوبصورت ٹائٹیل

اولاد کی صحیح تربیت ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس سے ہماری غفلت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس غفلت کے بد نتائج نئی نسل کے لئے بے راہ روی کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ ہی اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں اس ارشاد گرامی کا مطلب واضح ہے کہ ہر بچہ میں صحیح راستہ اختیار کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن ماں باپ کی غفلت یا غلط تربیت کے باعث وہ صلاحیت زنگ آلود ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں تو ہمارا سب سے بڑا المیہ ہی اولاد کی مناسب اور صحیح تربیت کا فقدان ہے، اور اگر خدانخواستہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو خطرہ ہے کہ کہیں آنے والے وقت میں اخلاقی انارکی کا یہ سیلاب قومی و ملّی روایات کو خس و خاشاک کی طرح بہا نہ لے جائے۔

ایسے وقت میں بچوں کی صحیح تربیت کی طرف قوم کو متوجہ کرنا اور نئی نسل کی اصلاح و تربیت کے لئے قدم اٹھانا بلاشبہ جہاد ہے

ادارہ فیروز سنز کو بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے سادہ و دلکش اور عام فہم معلوماتی کتابچے شائع کرنے میں پہلے ہی سبقت حاصل ہے اور زیر نظر تین کتابچے بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں ڈاکٹر عبد الرؤف صاحب نے پہلے دو کتابچوں میں قرآن کریم کی متعدد آیات اور نبی اکرم صلی اللہ

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

بقیہ : اداریہ

وہ کھر اور اس کے ساتھیوں کو ملکی سالمیت کے دشمن عوامی شخصیت کے علمبردار، شیخ مجیب کے نقش قدم پر چلنے والے وغیرہ جیسے القابات سے نواز رہے ہیں

ہمارے ملک کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ اتنے عرصہ میں یہاں سیاست کے باب میں سنجیدگی، تحمل، بردباری، بات کہنے کے ساتھ بات سننے کا حوصلہ جیسے جذبات پیدا نہیں ہو سکے اور نہ ہی یہاں ذاتی اور قومی مفادات کا فرق ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اس صورت حال کا منطقی رد عمل یہ ہوا کہ ملک مسلسل انتشار، افراتفری کا شکار رہا اور اسی وجہ سے وہ اپنی جغرافیائی حدود سے محروم ہو کر دنیا میں اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔

پچھلے چند سالوں کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ بدقسمتی سے قومی سطح پر کوئی پارٹی الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اور جو لیڈر مختلف علاقوں سے اکثریت لے کر آئے تھے وہ پہلے تو ایک دوسرے کو چھوٹا بڑا بھائی کہتے رہے لیکن جب ان کے مفادات آپس میں ٹکرائے اور بالخصوص چھوٹے بھائی نے دیکھا کہ مجھے اقتدار میں حصہ نہیں ملے گا تو غیر مصالحانہ رویہ اختیار کر لیا۔ جس سے جو نقصان ہوا وہ پوری دنیا میں ہماری رسوائی کا باعث بنا۔ اس کے بعد بھی یہاں جو کام ہوا وہ ذاتی مصالح کے تابع تھا۔ اس میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ ملک و قوم کی بہتری کس میں ہے؟ جی ہیں آیا تو ٹیپ سے پارٹی کا ٹکٹ لی اور پینترا بدلا تو اس کے لیڈروں کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا اور سلطانی گواہ کے طور پر اکبر بگٹی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس کے بعد پھر اکبر بگٹی کو چھٹی دے دی گئی اور اب وہ کھر کے لیے لاہور آیا ہے تو پھر دشمن کا دشمن ہے؟ اس کے ساتھ ہی اپنے پرانے رفقاء اور عزیز ساتھیوں ازم تالپور، کھر وغیرہ کو بھی اسی قسم کے القابات سے نوازا جا رہا ہے؟

اس انداز گفتگو کی روشنی میں یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ پاکستان کو [illegible] کے الزام سے اسی وقت نوازا جاتا ہے جب وہ [illegible] کے حکمرانوں کو للکارتا ہے اور جو واقعی ملک کے دشمن ہوں تو عیش اڑاتے ہیں۔ شرط اتنی ہے کہ ان کا حکمرانوں سے ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

یہ پوزیشن ملک کے مستقبل کے لیے جتنی تشویشناک ہو سکتی ہے اس سے ہر باشعور شہری اچھی طرح واقف ہے۔ اس کے بعد نام نہاد انجمنوں کا نام لے کر اشتہار بازی کا مشغلہ جس میں دستور کے تقدس کی باتیں ہو رہی ہیں اس لحاظ سے گھناؤنا فعل ہے کہ اس میں ایک طرف مرزائیوں کو اکسانے کی شعوری حرکتیں ہیں تو دوسری طرف کہنے والے وہ ہیں جو دستور کے تقدس کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہیں اور دستور ان کے افعال سے تار تار ہے۔

اس کے ساتھ امریکہ جیسے منافق اور بدباطن حلیف کے سربراہ مسٹر فورڈ کا ہماری سلامتی و استحکام کی دہائی دینا اور یقین دہانیاں کرانا بھی اپنے اندر کچھ نہ کچھ راز لیے ہوئے ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے نااہل حکمرانوں نے ہمیشہ ہی اپنے ملک و قوم کو امریکی گھڑے کی مچھلی بنائے رکھا اور اس طرح اعتماد میں لے کر اس منافق حلیف نے ہمیں ہمیشہ مروایا۔ اور کسی بھی نازک موڑ پر ہماری کسی قسم کی امداد نہ کی جبکہ سیٹو، سنٹو وغیرہ معاہدات کا لازمی تقاضا امداد و تعاون تھا۔

یہ ساری صورت حال محب وطن اور ملت کے بہی خواہ عناصر کے لیے گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے اور ضرورت ہے کہ سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مخلص اور سنجیدہ عناصر فوراً اپنی صفیں منظم کر کے ملک کے اتحاد و سلامتی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

۱۱—۱۰—۱۹۷۵

؎ اس کی قسمت میں سعادت ہو گئی
دوسروں سے جس کو عبرت ہو گئی

(ابوالخیر اسدی)

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

۹۰۲۰ | ۶۰۵۲۵

منظور شدہ محکمہ تعلیم [illegible]

بقیہ: مطبوعات جدیدہ

علیہ وسلم کے ارشادات، بچوں کے لئے عام فہم انداز میں پیش کئے ہیں وہاں تیسرے رسالہ میں ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے بچوں کو جسمانی، اخلاقی، تعلیمی، ذہنی، جذباتی، تفریحی، تمدنی، اقتصادی، روحانی اور سیاسی لحاظ سے بے راہ روی کا شکار بنانے والے خطرات کی بھی نشان دہی کی ہے اور یہ کتاب بچوں سے متعلق لٹریچر میں بلاشبہ ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ والدین کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کے لئے خود "بچوں کے خطرے" کا باربار مطالعہ کریں اور اولاد کو بچوں کے لئے "قرآن اور بچوں کے لئے حدیث" کی سبقاً سبقاً تعلیم دیں۔

اظہارِ حقیقت

میں اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے علوم شرعیہ حضرات علماء دیوبند کے مدارس میں حاصل کئے ہیں اور انہیں سے پوری طرح وابستگی رہی ہے۔ عمل، عقیدہ اور درس و تدریس ان کے مسلک و مشرب پر جاری رہی ہے۔ اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان کی سلامتی اور نجات اخروی اکابر دیوبند کے مسلک پر چلنے ہی میں ہے۔ سیاست کے اعتبار سے جمعیت علماء اسلام جو کام کر رہی ہے اس میں دنیا و آخرت اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود ہے۔ اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی کے زیر قیادت سیاسی زندگی بسر کرنا ملک و ملت کی فلاح کی ضمانت ہے۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں میری پوری ہمدردی اور حمایت جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رہی چنانچہ ضلع میانوالی کے پولنگ میں سب سے زیادہ ووٹ جمعیت علماء اسلام کے امیدوار کو ملے۔ [illegible] دوسری جماعتوں کی طرف سے [illegible] والسلام

مولوی عبدالرحمان [illegible] مدرسہ [illegible]
[illegible]

آئندہ شمارہ
نظامِ شریعت نمبر ہوگا

★★★★★★★★★★★★★★

ایجنٹ حضرات اور [illegible] حضرات اپنے آرڈر ادارہ کو بروقت بھیج دیں۔

صفحات معمول سے زیادہ

قیمت کا اعلان بروقت ہوگا

(ادارہ)

مولانا عبید اللہ انور [illegible] پرنٹر و پبلشر [illegible] لاہور سے شائع کیا